جلد ۱۱۰ دسمبر ۱۹۸۸ء عدد ۴

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

استفسارات

از: **سید ابوالاعلیٰ مودودی**

ترتیب و تدوین: **اختر حجازی**

○ مولانا مرحوم فہم دین کے فن کے شناور تھے۔ ان کی مجلس سے کوئی تشنہ نہ اٹھتا تھا۔

○ مولانا مرحوم سینکڑوں مجالس میں ہزاروں سوالات کے جوابات دیتے اور کوئی محروم نہ رہتا تھا۔

○ مولانا کے ہزاروں معتقدین تھے جو طلب دین کیلئے ان سے رجوع کرتے تھے اور کوئی مایوس نہ لوٹتا تھا۔

○ یہ خصوصیت مولانا مودودیؒ کو خداداد صلاحیت کے طور پر حاصل تھی۔

○ لوگوں نے ہزاروں سوالات کیے مولانا مودودیؒ نے ہزاروں جوابات دیے
مولانا اختر حجازی صاحب کی محبت اور محنت ہے کہ انھوں نے ان سوالات کو مع جوابات
حاصل کر کے ایک ایسا مجموعہ مرتب کر دیا جو تشنگان علم کیلئے سرچشمہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔

○ ایک کتاب سے عالم کتاب بن جانے کا نسخہ حاضر خدمت ہے۔

سائز: ۱۸×۲۳/۸ • صفحات: ۴۴۸ • قیمت: ۴۰/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار ○ لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۱۰ | دسمبر ۱۹۸۸ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ | عدد ۴

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

رابطہ کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور

فون نمبر ——— ۳۲۴۴۶۸

زرِ سالانہ تیس روپے ۔ فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اَلحَمدُ لِلّٰہ کہ انتخابات کا بہت بڑا امتحانی مرحلہ بخیر گذر گیا - آراء، بحثوں، سیاسی شخصیتوں، نعروں اور پروپیگنڈے کا طوفان رنگ برنگے جھنڈوں کی لہریں اٹھاتا ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پوری قوم کو چھاتا تھا، پھٹکتا آناً فاناً غائب ہو گیا - اس نے کچھ نتائج و اثرات باقی چھوڑے ہیں - جو سیاسی، معاشی اور تہذیبی لحاظ سے ہمارے قریبی مستقبل کی تراش خراش کریں گے -

آج سمجھ میں آتا ہے کہ اگر ۱۹۸۵ء کے ریفرنڈم کے ذریعے نمائندہ ایوانوں کی تشکیل کا راستہ نہ کھلا ہوتا تو ہم آج بھی ابہام کے کہر میں ٹھوکریں کھا رہے ہوتے - کجا یہ صورت کہ ایک بار انتخابات ہو چکے، اسمبلیاں توڑی گئیں - مگر وفاقی ایوانِ بالا سلامت ہے، اور شہید صدر کے بعد نئے صدر کے زیرِ انتظام انتخابات ۱۹۸۸ء مکمل ہو چکے ہیں -

جناب صدر اور الیکشن کمیشن کے حسنِ انتظام اور سیاسی لیڈروں اور پارٹیوں کی طرف سے ان کے ساتھ تعاون کا فیضان یہ ہوا کہ الیکشن کا سارا ہنگامۂ کشمکش کرکٹ کے کسی میچ کی طرح پُر امن اور پُر سکون حالات میں غیر جانب داری سے ہوا -

---

مبارک ہیں وہ جنہوں نے دین و وطن کی خیر خواہی کے جذبۂ صادق کے ساتھ انتخابات میں جدوجہد کی، اور حامیوں اور مخالفوں کے سامنے گفتار، کردار، نظم اور سرگرمیٔ عمل کا نہایت مؤثر مظاہرہ بے لوثی سے کیا - ایسے وہ لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے شہریوں کی معتدبہ تعداد کے دلوں میں کوئی اچھا

اثر اپنی تحریک اور دینِ پاک کے حق میں پیدا کیا، بلکہ علمبردارانِ حق کی کارکردگی کا بہترین معیار یہ ہے کہ نہ صرف ان کے حلیف تحسین کریں بلکہ اُن کے حریف بھی اُن کے نظریہ و کردار کی بالاتری کو تسلیم اور محسوس کریں۔ یہاں تک کہ اگر کسی جیتنے والے "امیدوار" کے پاس ہم شکست کھا کر بھی جائیں تو وہ یہ سمجھ کر احترام کرے کہ اصل فاتح یہ ہیں۔

مبارک ہیں وہ جنہوں نے فتح و شکست سے صرفِ نظر کر کے محض خوشنودیٔ خدا اور بہبودیٔ خلق کے لیے پوری طرح سعی و جہد کی اور فی نفسہٖ اسی جدوجہد کو اپنا اعلیٰ ترین مدعا و حاصل سمجھا، اور نتائج کا معاملہ خدائے علیم و قدیر کے حوالے کر کے اس کے فیصلے پر قبلِ ظہور بھی راضی تھے اور ظہور کے بعد بھی یہ کہہ کر سرِ تسلیم خم کر دیا کہ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ (بِيَدِكَ الْخَيْرُ)

ایسے لوگ انتخابی مقابلے میں اگر کسی سیٹ پر کامیاب ہوتے تو بھی اُن کے لیے فلاح ہے، اور ناکام ہوئے تو بھی اُن کو عنداللہ اصل سچی کامیابی حاصل ہے۔

البتہ اگر کسی نے انتخابی محنت سے اقتدار کے حصول اور کسی سیٹ یا سیٹوں کی کسی تعداد کو جیتنے اور حریفِ مقابل کو پچھاڑنے ہی کو اصل مقصود قرار دیا اور خدا کی عبودیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و طاعت اور کامرانیٔ عاقبت سے توجہ ہٹا لی یا ان ضروریاتِ حقیقی کو ثانوی درجہ دیا تو وہ کامیاب ہو کر بھی ناکام رہا۔

دوسری طرف اصل ناکامی ان لوگوں کے لیے ہے جن کو سرے سے خدا کی رضا طلبی کا دھیان ہی نہیں، جنہیں دین کی سربلندی مطلوب ہی نہیں۔ بلکہ اُلٹا دین کا خذلان پیشِ نظر ہے، جنہیں خلقِ خدا کا سچا محب اور خادم بن کر اُن کو مصائب سے نکالنا اور ان میں نیکیوں کو پھیلانا اور ماحول میں برائیوں کا قلع قمع کرنا درکار ہی نہیں، بخلاف اس کے جنہیں اپنے اور خاندان، برادری اور پارٹی کے لیے ناجائز مفاد کی ہوس ہے، جنہیں طاغوتی نظریات کا فروغ پسند ہے، جو شعائرِ اسلامی کو مٹانا، منکرات و فواحش کو پھیلانا، سلب و نہب کرنا، اور کینۂ دیرینہ کے تحت اقتدار کی قوت کو انتقامی جذبات کی تسکین کے لیے استعمال کرنا، اور پاکستان کے دشمنوں کی نگاہوں میں مقامِ اعتبار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

سوالیسوں کی انتخابی ناکامی تو ہے ہی ناکامی، ان کی کامیابی بھی بہت بڑی ناکامی ہے۔ انہیں

تھوڑی سی گھن گرج کے بعد دنیا میں چاروں طرف سے ناپسندیدگی کا سامنا کرنا ہوگا اور قیامت میں بھی وہ نہایت رسواکن عذاب سے دوچار ہوں گے۔

یہ وہ بڑی اور اصل دردناک ناکامی ہے جس سے بچنے کے لیے اللہ سے دعا کرنی چاہیے۔ ایسی ناکامی سے بچنے کے لیے ظاہری اور عارضی ناکامیوں کے ہزار زخم سہ لینا بدرجہا مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو خاک نشین رکھ کر بڑی بلندیاں عطا کرتا ہے، دوسری طرف بعض متکبر، سرکش اور انسانیت کش قوتوں کو محض اس غرض سے بلند روپہلی مسندوں پر بٹھا کر سنہرے تاج پہناتا ہے کہ تھوڑی سی مہلت کے بعد وہ ان کو ذلت آمیز دردناک سزا دے سکے۔ بوریے پر بیٹھنے والے گنہ گاروں کے لیے وہ سزا نہیں جسے تقدیر کسی جفا گر کو تخت پر بٹھا کر نافذ کرتی ہے۔

تخت اور تختے کے درمیان بڑا تھوڑا فاصلہ ہے۔

سو ہدیۂ تبریک ان کے لیے جنھوں نے اصل اور سچی کامیابی حاصل کی، خواہ انتخابی معرکہ بھی ساتھ ہی جیت لیا ہو، خواہ اس میں شکست ہوگئی ہو۔

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پیپلز پارٹی جیت گئی، مگر حقیقت میں پیپلز پارٹی کے غبارے سے اس بری طرح ہوا نکلی ہے کہ وہ لوگ جو ملک اور اقتدار کو پیپلز پارٹی کی جاگیر اور اجارہ سمجھتے تھے، ان کے تصور کے بخلاف پیپلز پارٹی چند مختلف اقلیتی گروہوں میں سے ایک اقلیتی گروہ بن کر سامنے آئی جس کے لیے حکومت بنانا کچھ دوسرے لوگوں کو ساتھ ملائے یا خریدے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس موقع پر اکڑی ہوئی گردن کو جس بری طرح اپنے سے چھوٹے گروہوں یا افراد کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ وہ ایک عبرتناک حقیقت ہے۔ حکومت وہ بنا بھی لے (بلکہ بعض لوگوں کا نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ بنانے دینا چاہیے)، تو بھی وہ ایک ایسا کچا گھروندا ہوگی کہ ایک ایک قدم اٹھانے کے لیے نہ صرف یہ کہ ساتھ ملائے ہوئے افراد کو راضی رکھنا ہوگا بلکہ ایوان کی بھاری اپوزیشن ہر چیز کو چھلنیوں میں چھانے گی اور چھاجوں میں پھٹکے گی۔ کہاں وہ بھٹو صاحب کی "ہمہ مقتدری" کا دور کہ جدھر چاہا خزانہ لٹا دیا، جس بنک سے چاہا، روپیہ نکلوا کر اپنے چہیتوں یا اخباروں کو دلوایا۔ فوجی عہدوں سے جتنے جرنیلوں کو اور سول مناصب سے اچھے اچھے افسروں کو بیک

جنبشِ ابرو نکال باہر کیا، جس کارخانے کو چاہا مزدوروں اور پارٹی ورکروں کے ہاتھوں لٹوا دیا، جسے چاہا قتل کرا دیا اور جسے چاہا "فکس اپ" کر دیا۔ اور کہاں یہ حکومت جسے پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا۔ کیونکہ حکومت سے باہر رہ کر جس منظر مانہ شان سے بھٹو صاحب کی بیوہ اور دختر ہر طرف سے ہمدردیاں سمیٹ رہی تھیں، وہ تخت پر قدم دھرنے کے بعد سب چھٹ جائیں گی اور تنقید و تعریض کا دور شروع ہوگا۔ پریس اور پلیٹ فارم سے ہر حرکت پر تنقید ہوگی۔ اور دوسری طرف پیپلز پارٹی کی نسوانی لیڈرشپ، جن مغربی اطوار رقص و سرود کو رائج کرے گی اور خواتین کی بے محابا آزادی کے ساتھ منکرات و فواحش کے دروازے کھولے گی ـــــ یا ایسا کرنے کی کوشش اور خواہش اور پروپیگنڈا کرے گی ـــــ اس سے رائے عام جھرجھری لے گی۔ دوسری طرف اگر اسراف و تبذیر کا طوفان اٹھا اور لوگوں کے کاروبار اور املاک کو نقصان پہنچا اور انتقامی سیاست[1] چلی تو چند ہی دنوں بعد خلقِ خدا تراہ تراہ کر اٹھے گی۔

اگر انتہائی احتیاط اور دلجوئی سے کام نہ لیا گیا تو پھر ایسی کچی حکومت کا چلنا معلوم ـــ پھر دوسرا راستہ یہ ہوگا کہ پیپلز پارٹی اپوزیشن کی نشستوں پر بیٹھے۔ یہ ان خوابوں کی بدتعبیری کے بعد بڑا ہی کڑوا گھونٹ ہوگا جس کا تصور پیپلز پارٹی کے لیڈر یا کارکنوں کو کبھی ہوا ہی نہیں۔

سو یہ ہے وہ نقصانِ عظیم جو پیپلز پارٹی نے اٹھایا ہے اور اس کا ہمہ مقتدری کا وہ خواب پریشان ہوگیا ہے جس کے نشے میں وہ پاکستان کو اپنی سواری اور بار برداری کا ایک جانور سمجھتی تھی۔ اب یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ یہ جانور دولتیاں مار کر اوندھے منہ گرا بھی سکتا ہے۔

ذرا آگے چل کر مزید ایک انتخاب کا مرحلہ اگر آگیا تو پارٹی اپنی اس حیثیت سے بھی جاتی رہے گی۔

---

[1] اس انتقامی سیاست کے زخموں کو نشۂ اقتدار سے بدمست عام ان پڑھ اور کارکنان کی وہ زیادتیاں اور زیادہ گہرا کر دیں گی جن کا نشانہ ہزاروں شرفاء اور اختلاف کرنے والے لوگ بنیں گے۔

پیپلز پارٹی کی یہ ادھوری سی جیت بھی بہت سی قوتوں کی مشترکہ جد وجہد کا ثمرہ ہے۔ بہت سی سازشیں اور ڈپلومیسیاں اور پروپیگنڈے اور نقود اس غرض کے لیے کام کرتے رہے ہیں کہ پیپلز پارٹی غلبہ پائے۔ اسی میں بھارت کا فائدہ ہے۔ جس کا اظہار اخبارات میں بھی اور بی بی سی سے بھارتی ایڈیٹروں کی کانفرنس میں بھی ہو گیا۔ بجاج صاحب کا خط پہلے سے سامنے آچکا تھا۔ برطانیہ، امریکہ، اسرائیل اور روس بمعہ بھارت یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں احیائے اسلام کا کام نہ ہو سکے۔ جس کو وہ اپنی خاص طور پر وضع کردہ مکروہ سی اصطلاح میں "بنیاد پرستی" کہتے ہیں۔ موجودہ دور کی تمام طاقتیں ماضی میں "پین اسلام ازم" اور "جہاد" اور "ملا" سے ڈرتی تھیں۔ اور پروپیگنڈہ کی لائن اسی خوف پر بنائی تھیں۔ اب وجہ خوف "بنیاد پرستی" بن گئی ہے۔ خصوصاً جب سے ایران کا انقلاب واقع ہوا، "مہذب دنیا" اور "ترقی یافتہ قومیں" سخت پریشان ہیں۔ انہیں فوری خطرہ یہ ہے کہ افغانستان میں اگر مکمل کامیابی مجاہدین کو حاصل ہو جاتی ہے تو بنیاد پرست اسلامی حکومت کا محشر برپا ہو جائے گا اور بعد ازاں پاکستان میں بھی بنیاد پرستی سے جن جراثیم کو کافی دبا دیا گیا ہے وہ از سر نو زور کر اٹھیں گے۔ اور تینوں ملکوں کی اسلامی بنیاد پرستی باقی تمام مسلمان ممالک کو بھی مبتلائے "وحشت" کر کے (نعوذ باللہ) ہمارے لیے تباہ کن خطرہ بنا دے گی۔ اس کے لیے باہر سے جو کام ہو رہا ہے وہ تو ہے انہیں اندر صرف دانشوری کے دائرے میں نہیں، بلکہ سیاسی اقتدار کے دائرے میں ایسی جارح قوت مطلوب رہی ہے جو ایک طرف جہادِ افغانستان کو آخری مقاصد کے حصول سے محروم کر دے، جو پاکستان کو بھارت، اور روس کی سرپرستی کے آسیبی سائے میں لے آئے اور جو احیائے اسلام کے پہلے سے کمزور رجحانات کو مزید کچل دے اور ایسے رنگین فتنے اٹھائے کہ ماحول اسلامی قدروں کے لیے ناسازگار ہو جائے۔

اِس مہم کے لیے دامے، درمے، سخنے، قدمے پاکستان کے ہر مہربان نے خوب کام کیا اور پھر یہاں محاذ کار یوں ترتیب پایا۔

۱۔ پیپلز پارٹی ۲۔ تحریکِ نفاذِ فقۂ جعفریہ اور دیگر شیعہ (ڈی پی کی قیادت شیعہ خاندان کے ہاتھ میں ہے)۔ ۳۔ قادیانی (جس طرح بھی حمایت کر سکے)۔ ۴۔ اسمٰعیلی گروہ۔
۵۔ گریبان چاک، کوتاہ آستیں اور بے چادر خواتین کا جدت مآب گروہ۔ ۶۔ کمیونسٹ اور سوشلسٹ

۷۔ ملاحدہ اور سیکولر اسلام کے قائل جو آزاد زندگیاں گذارنا چاہتے ہیں۔ ۸۔ تمام وہ مالِ تجارت جسے بڑی سے بڑی قیمت سے خریدا جا سکتا ہے۔ ۹۔ ذرائع ابلاغ کا اسلامی جذبات کو دھندلانے کے لیے ایسی تصاویر، ایسے شو، ایسی تفریحی تحریریں، ایسی اختلافی بحثیں سامنے لانا کہ لوگ دینی اقدار سے بے تعلق ہوتے جائیں۔ ۱۰۔ ضیاء الحق شہید کے وہ تمام مخالفین جو کسی معقول یا نامعقول وجہ سے ردِ عمل میں مبتلا ہو کر اس کی مخالف قوت کو انتقاماً ووٹ دینا چاہتے تھے۔ ۱۱۔ سندھ میں علاقائیت پرستوں کا یک آہنگ محاذ۔ ۱۲۔ تمام تفرقہ پسند گروہوں کا جہاں اپنا کوئی آدمی نہ تھا انہوں نے اسلامی اتحاد یا جماعتِ اسلامی کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کا ساتھ دینا پسند کیا۔ ۱۳۔ (اوپر ذکر کردہ سامراجی قوتوں کی جماعت بہ شکل پروپیگنڈہ، بہ شکل ڈپلومیٹک اطوار، بہ شکل تخریب کارانہ حرکات و دیگر خفیہ وسائل)

اِس وسیع و عریض محاذ کو سامنے رکھیے اور پھر سوچیے کہ پاکستان جس کے ووٹروں کی بھاری اکثریت غیر تعلیم یافتہ، ایک معتدبہ تعداد تعلیم کے باوجود سیاسی شعور اور بین الاقوامی سازشوں سے بے خبر اور جذباتی ہیجانات میں مبتلا اور اچھی خاصی تعلیم یافتہ اور مفاد یافتہ اقلیت، معیار و مفاد کی جنگ میں محو ہوتے ہوئے غیر متوازن سوچ بچار کی مریض، آخر اِن عناصر پر مشتمل معاشرہ کا اوپر کی بارہ قوتوں کے طویل مشترک محاذ کے مقابلے میں تھوڑے سے زخم کھا کر بڑی حد تک بچ نکلنا حیرت انگیز واقعہ ہے۔

یہ حیرت انگیز واقعہ خدا کی خاص مہربانی کا مظہر ہے اور کسی خفیف درجے میں یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں خرابیوں کی کثرت اور خرابیوں کو پیدا کرنے اور پھیلانے والے اسباب کی کثرت کے باوجود ابھی کچھ لوگ محبانِ اسلام و پاکستان ایسے باقی ہیں کہ جنہوں نے قوم کو تباہی سے بچا لیا۔

لیکن دوسری طرف پیپلز پارٹی کی تقویت اور موجودہ کامیابی کا باعث بننے والے ایسے اسباب بھی ہیں جن کی ذمہ داری خود محبانِ اسلام و پاکستان کی صفوں پر عاید ہوتی ہے۔۔۔

آیئے ذرا ادھر کا بھی کچھ معائنہ کرلیں۔

پہلی بات یہ کہ قوم اتنے گروہوں میں بٹ گئی کہ کسی سنگل منظم پارٹی (جس میں ہر طرح کی آزادی بھی ہو) کا مؤثر مقابلہ کرنے کے قابل نہ رہی۔ مسلم لیگ تھی تو اس کے کئی دھڑے بن گئے۔ اصغر خاں صاحب اور نورانی صاحب نے ایک الگ محاذ کھول دیا، اسلامی جمہوری اتحاد کے مقابلے میں عوامی اتحاد وجود میں آگیا۔ اہل حدیث گروپ کے دو ٹکڑے ایک دوسرے کے مقابلے پر آگئے۔ جنہیں اپنی جماعتوں کا ٹکٹ نہیں ملا وہ الگ ہو کر آزاد اُمیدوار بن گئے۔ اور سرے سے آزاد اُمیدواروں کی تعداد تو خود کسی پارٹی کے اُمیدواروں سے بھی زیادہ تھی۔

دوسری بات یہ کہ پیپلز پارٹی کے اُمیدوار کے مقابلے میں آپس میں ووٹ کاٹنے والے تین تین، دس دس اور سولہ سولہ اُمیدوار کھڑے ہوتے، چند اگر بیٹھے بھی تو اتنے ضرور باقی رہے کہ ایک ہی جانب کے ووٹ کاٹ سکیں۔ یہی صورت ۱۹۷۰ء میں بھی پیپلز پارٹی کی کامیابی کی تھی۔ اور یہی صورت اب بھی ہوئی۔ یہ چار چار اور آٹھ آٹھ کا باہمی مقابلہ اگر نہ ہوتا تو پیپلز پارٹی کے چار چھ آدمی کامیاب ہو سکتے تھے۔

تیسری بات یہ کہ مذہبی گروہوں نے تاریخ کے اسٹیج پر ایسا بُرا پارٹ پیش کیا ہے کہ ان کے اثرات کے ساتھ خود دین کے اثر میں جو کمی آرہی ہے وہ اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ ہمارے محترم اکابر پادریوں اور عیسائیوں جیسا کوئی مرکزی ادارہ اور ضابطۂ تعاون آج تک وضع نہیں کر سکے۔ ۲۲ نکات پر بزرگوں نے جمع ہو کر جو فضا بنائی تھی، بعد والوں نے اس فضا کو تباہ کر دیا۔

اوّل تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہر مدرسہ یا انجمن یا مسجد سے متعلق حضرات یا پیری مریدی کے سلسلے انتخابات میں نہ آجاتے، بلکہ اپنا کام کا دائرہ الگ اور مستقل رکھتے۔ بخلاف اس کے جس کے لیے دو یا چار سیٹیں حاصل کرنا ممکن تھا، وہ بھی انتخابی میدان میں نعرہ زن ہوا۔

پھر اگر معرکے میں آنا ہی تھا تو آپس میں مل بیٹھ کر صرف ایک پلیٹ فارم بناتے اور سب اس پر جمع ہو کر کام کرنے کے اُصول وضع کرتے۔ مشکل یہ ہے کہ دینی قوتیں عام پُرسکون حالات میں اکٹھی نہ ہو سکتی ہوں بلکہ ہر مسجد اور لاؤڈ اسپیکر سے افتراق انگیز باتیں نشر ہوتی ہوں۔ وہاں یہ کیسے ممکن ہے کہ اقتدار جیسے اہم مفاد کے سلسلے میں مل بیٹھ کر آسانی سے لوگ ترکِ اختیار کر سکیں اور اپنے اندر کسی کو بڑا مان سکیں

یا دوسروں کی استعداد کے مطابق ان کا استحقاق تسلیم کر سکیں۔

کیا عجیب مذاق دین کے ساتھ ہوا کہ جمعیت علمائے اسلام کا رخ الگ، جمعیت علمائے پاکستان کا قبلہ الگ، جماعتِ اسلامی کا مقام الگ اور درخواستی گروہ اسلامی اتحاد کے ساتھ بھی اور الگ بھی۔ (کچھ معلوم نہیں کہ آگے چل کر یہ حضرات کیا رخ اختیار کریں گے) .... اہلِ حدیث الگ بلکہ ان کے دو گروہ باہم متحارب۔ اور سب سے دلچسپ مسلکِ لاتعلقی ہمارے تبلیغی برادران کا جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ انتخاب وغیرہ گندے دنیوی جھمیلے ہیں، ہم ان میں نہیں پڑتے، صرف تبلیغ کریں گے۔ یعنی دنیا کا انتظام ہمیشہ گندے طریق ہی سے چلتا رہے۔ اور اسے اسلام گریز لوگ ہی چلاتے رہیں۔ لیکن یہ مسلک اس لحاظ سے اچھا ہے کہ کم سے کم کسی دین و وطن کے مفاد کی مخالفت کر کے کسی ضرر رساں گروہ کی حمایت تو نہیں کی۔

لادین جمہوریت کی دیوی کے پجاریوں کے لیے کش مکش کے ماحول میں انتخابات بڑا میدانِ تدبر اور کبھی میدانِ تکبر ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ:

— عوامی طاقت نے بڑے بڑے برج الٹ دیئے۔

— عوامی طاقت نوجوان قوت کو سامنے لے آئی ہے۔

— عوامی طاقت نے بالفاظ "بی بی سی" "نہایت تنگ نظر" کے فنڈامینٹل ازم کو مسترد کر دیا ہے اور ایک کھلا اور وسیع سا مذہبی تصور اپنا لیا ہے۔

— کہیں سے آواز آتی ہے کہ ضیاء الحق شہیدؒ کا دور آج ختم ہو گیا۔

یہ آوازیں ۱۶ کی شب سے ۱۷ اور ۱۸ تک بڑے زوروں پر تھیں، مگر ۱۹ کے صوبائی نتائج نے نقشہ بساط عجیب بدل ڈالا تو بڑے بڑے سیاسی پنڈتوں کے لب ولہجہ میں تبدیلی آگئی۔ بعض شورا شوری کو چھوڑ کر بے نمکی پر آگئے۔ اکثر نے گرم جوشی کو چھوڑ کر ٹھنڈے طریق سے سوچنا شروع کر دیا۔ بی بی سی تک کی ۱۶ والی گھن گرج ۱۹ کو غائب ہو گئی۔ جمہوریت اور رائے عامہ کے متعلق پہلے فلسفے جب ٹوٹے تو توجیہیں کی جانے لگیں اور بڑے عجیب عجیب دانشورانہ نکتے سامنے آئے۔

جمہوریت بڑی اچھی چیز ہے، بشرطیکہ اسے خدا و رسولؐ کی ہدایت و رضا کا پابند بنایا گیا ہو، ورنہ اگر خدا کی حاکمیت (اور قانون) کے بجائے عملاً عوامی حاکمیت کو بالادستی دے دی جائے تو لیڈر اور عوام سب جمہوریت کی تباہی میں حصہ دار ہوتے ہیں۔

چند قابلِ غور اُمور عرض ہیں:

سچی جمہوریت ایسے ماحول میں نہیں چل سکتی جہاں دلیل (دوسروں کے لیے دانشِ برہانی اور ہمارے لیے دانشِ ایمانی) پوری طرح مؤثر نہ ہو۔ یہاں دلیل کے بجائے ہر طرف یا تو عقیدتیں اور پرستشیں ہیں۔ یا عصبیتیں اور فرقہ آرائیاں۔

حقیقی جمہوریت وہاں چلتی ہے جہاں پارٹیوں یا لیڈروں کو ان کے علم و کردار اور ان کے پروگراموں کی میزان پر تولا جاتا ہو۔ ہمارے ہاں پورے انتخابات میں نہ شخصیتوں کی جانچ کا رجحان تھا اور نہ کسی نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس ہمارے لیے پروگرام کیا ہے۔ پروگرام کسی نے بنایا تو یہی کہ ہم آگئے تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارے سارے مصائب ختم۔ کوئی پوچھنے والا نہیں کہ کیوں اور کس طرح؟ یہاں تو ووٹروں کی طرف سے بھی کوئی مطالبہ آیا تو بس یہ تھا کہ ہماری گلی میں نلکا لگوا دو، ہماری سڑک پکی کرا دو، ہمیں بجلی لگوا دو۔ اور بعض جگہ اُمیدواروں سے کچھ اس طرح کے کام پیشگی بھی کرا لیے گئے۔

ہماری جمہوریت میں ایک تو پروگراموں کی بجائے پوسٹروں اور جھنڈوں کی نمائش اور نعروں اور جلوسوں کے ہنگامے ہوتے رہے ہیں۔ اور لاکھوں گز کپڑے کو کاغذ کے ساتھ انتخابات کی آگ میں جھونک دیا گیا ہے۔ ستم یہ کہ ان کپڑوں کے پیچھے نقد قیمت دے کر ووٹروں کے سودے کیے گئے ہیں بلکہ اخبارات میں یہ تک آگیا ہے کہ حکومت بنانے کے لیے ایک گروہ ایک، ایک اور دو، دو کروڑ روپیہ دے کر دوسرے افراد کو اپنے ساتھ ملانے پر تیار رہے۔

مجھے ذاتی دائرے میں جو جو اطلاعات ملی ہیں، ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ ہماری جمہوریت کی تشکیل میں کافی دخیل رہا ہے۔

ہرچند کہ بدعنوانیوں کو روکنے اور حفظِ امن کا سامان کرنے کے لیے الیکشن کمیشن نے ظاہری حد تک کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، لیکن پھر بھی بدعنوانیوں کی بعض بہت سی ماہرانہ اور خفیہ اقسام نوٹس

میں آئی ہیں۔ اور خصوصاً عورتوں کے پولنگ بوتھ پر ناروا حرکات ہوئی ہیں، نیز ہنگامہ و تصادم کے بھی متعدد واقعات سامنے آئے ہیں۔

اس دن میں بہت ہنسا یا جس دن میں نے ایک اخبار نویس دوست کا ایک جملہ بایں معنی پڑھا کہ عوام یا قوم کا سیاسی شعور بہت بلند ہو گیا ہے۔

کیا کہنے ہیں، اس سیاسی شعور کے کہ ووٹر صاحب تو کیا، اُمیدوار صاحب کو داخلی ملک کے مسائل اور بیرونِ ملک کے خطرات اور عالمِ اسلام کے متعلق یا پالیسیوں اور سامراجی قوتوں کے دباؤ کی سمجھ بوجھ نہیں۔

کیا اعلیٰ سیاسی شعور ہے کہ ایک قوم نہایت پیچیدہ حالات میں گھرے ہوئے ملک کو ٹکڑوں ٹکڑوں اور متفرق افراد میں بکھری ہوئی قیادت فراہم کرتی ہے جس کے مختلف ٹکڑے جوڑ کر فرانس کی طرح کچی عارضی اور ادلتی بدلتی حکومتیں قائم کی جا سکتی ہیں۔ ایسی پارچہ پارچہ قیادت میں سے دشمنانِ دین و وطن نہایت آسانی سے اپنے مہرے تلاش کر کے ان کے ذریعے ہمارے کھیل سے اپنی جیت حاصل کر سکتے ہیں۔

کیا شاندار سیاسی شعور ہے کہ کتنی ہی جگہوں سے نہایت بدنام غنڈہ عناصر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سفینہ کے کھیون ہار بن کر اُبھرتے ہیں۔ اور ایسے ایسے عناصر عوام کے محبوب بن کر آئے ہیں جو قتل مقاتلے، ہائی جیکنگ اور تخریب کاری کے مراکز رہے ہیں۔

ایسا سیاسی شعور بھلا اور کس عظمت مآب قوم کو حاصل ہو گا کہ ہمارے عوام نے مغربی طرز کے عیاشی و فحاشی کے تجربات سے خود گزرنے اور اب ان کو اسلامی پاکستان میں پھیلانے والوں کو اپنا سیاسی پیر و مرشد قرار دیا ہے۔

رسول اللہؐ کی تعلیم برحق کی رُو سے کوئی قوم کسی عورت کی قیادت میں رہ کر فلاح یاب نہیں ہو سکتی، مگر ہمارے لوگوں کا سیاسی شعور اتنا آفاق گیر ہوا ہے کہ اس نے رسول اللہؐ کی تعلیم کا مقابلہ اپنے ووٹوں سے کر کے اس قوم کے ہر سچے خدا پرست کو ذلیل و شرمسار کر دیا ہے۔

اِس عظیم سیاسی شعور پر قربان جائیے جو جلد جلد بڑھتا ہے، ہنگامہ بازی کے ساتھ بڑھتا ہے، اور پچھلے چند برس ہی سنجیدہ سیاسی فضاؤں کو اس نئے سیاسی شعور نے ہمیشہ کے لیے "بازاری پن" کی

سطح تک پہنچا دیا ہے۔

کون اس اعلیٰ شعور کی داد دے گا کہ کہیں تو سندھ سندھیوں کے لیے کا اٹل کلمہ پڑھا جا رہا ہے اور کہیں پانچویں قومیت کے جھنڈے لہرا رہے ہیں۔

پھر اس سیاسی شعور کی پیدا کردہ بے ضمیری دیکھیے کہ آج ایک گھر کسی پارٹی کا مخالف ہے۔ کل وہ جیت جاتی ہے تو وہ دوسرے جھنڈے اتار کر اس نئی پارٹی کے جھنڈے لگا لیتا ہے۔ پہلے وہ ایک ذہنیت کے ساتھ کام کرنے کا نقشہ سامنے رکھتا تھا اور اس کی قرابت کسی ایک خاص گروہ سے تھی، لیکن راتوں رات وہ ضمیر کی قیمت وصول کر کے دوسری ذہنیت اور دوسرا نقشہ اختیار کر کے کسی اور جانب تعلق جوڑ لیتا ہے۔

اس سیکولر جمہوریت کی بنیاد میں بڑی کجیاں اور خرابیاں ہیں۔ جب تک انھیں ٹھیک نہ کیا جائے گا، نہ حقیقی جمہوریت یہاں آئے گی، نہ آزادی نمودار ہوگی، نہ سچی خوش حالی پیدا ہوگی، نہ قیامِ امن اور اصلاحِ اخلاق کا کوئی امکان ہے اور نہ ملک کی سالمیت اور دین کی برتری کے راستے کھلیں گے؟ مسلمانوں کے لیے یہ بے تکی جمہوریت سخت مہلک ہے، انھیں جمہوریت کا نظام ضرور چلانا چاہیے مگر اپنے اُصولوں پر اور بعض اہم اصلاحات کے ساتھ ـــ جن میں سے ایک بڑی اصلاح تناسب نمائندگی اور دوسری بڑی اصلاح ووٹر کا معیار، اُمیدوار کا معیار، وزیروں اور عہدہ داروں کا معیار طے کرنا ہے۔ اور تیسری بڑی اصلاح یہ ہے کہ انتخابات میں اور پارلیمانی عمل میں سے ایسی تمام چیزوں کو نکال دیا جائے جو دین کے خلاف اور اخلاق کے لیے ضرر رساں اور ملکی سالمیت و استحکام کے لیے تباہ کن ہیں۔

اب صرف ایک بحث ـــ اور سب سے اہم ـــ یہ باقی رہ گئی ہے کہ ہمارا پارٹ بحیثیت جماعتِ اسلامی کیا رہا؟ ہمارے مورچے پیچھے ہی پیچھے کیوں جا رہے ہیں؟ ہمارا اساسی و توسیعی کام کیسا ہے؟ ہمارے اُصول پسندانہ تشخص کا کیا حال ہے؟ ہمارے دینی، معاملاتی اور اخلاقی رویوں کا درجہ کیا ہے؟ اور پھر ہماری انتخابی اور سٹریٹیجی پالیسی کیسی رہی؟

اصل نتیجہ خیز کام دوسروں کے احوال کے ٹیڑھ دکھانا نہیں - اصل کام اپنا کڑا احتساب کرکے اور اپنی خامیوں کا کشادہ دلی سے اعتراف کرکے کام کی نئی نقشہ بندی کرنا اور پھر تلافیٔ مافات کے لیے کمربستہ ہو جانا ہے -

یہ گفتگو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اشاعت میں ہوگی اور اُس وقت تک ملک میں کوئی حکومت بن چکی ہوگی۔

(باقی)

شمارہ نومبر میں ضروری تصیحات

ص ۱۳۷/۱۵ سطر ۱۴ "تفسیر بالرای کی حکمت" کے بجائے "حرمت"

ص ۱۳۸/۱۶ سطر ۱۱ "کے" بجائے "کی"۔

ص ۱۳۸/۲۶ سطر ۳ - آیت کا دوسرا حصہ "فِی جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ" بڑھا دیا جائے۔

ص ۱۴۱/۲۹ سطر ۱۸ "یوبیدون وما لھم" میں سے "ما" حذف۔

ص ۱۴۲/۳۰ سطر ۱۷، "نہ تو" کے بجائے "تو نہ" سطر ۲۲، دو جگہ "مارس" کے بجائے "مدراس"۔

ص ۱۴۵/۳۳ حاشیہ "حیفا کارانہ" کی جگہ "فداکارانہ" -

(ادارہ)

حکمتِ سیّد مودودیؒ

(ادارہ)

اصلاحِ معاشرہ سے اگر آپ کی مراد معاشرے کو اسلامی نظامِ زندگی قائم کرنے کے لیے تیار کرنا ہے تو ووٹر کو صحیح انتخابات کے لیے تیار کرنا اس دائرۂ عمل سے خارج کیسے ہو سکتا ہے؟ اور یہ کام کیے بغیر کس طرح ممکن ہے کہ آپ کا معاشرہ کبھی فاسد قیادتوں کو ہٹا کر کوئی صالح قیادت برپا کرنے کے قابل ہو سکے؟ آپ کو اس کے لیے ووٹر کی اخلاقی قدریں بدلنی ہوں گی، اسے اسلامی نظام سے روشناس کرانا ہوگا۔ اس میں اسلامی نظام کی طلب پیدا کرنی ہوگی۔ اس کو صالح اور غیر صالح کی تمیز دینی ہوگی۔ اس کو یہ احساس دلانا ہوگا کہ ملک کی بھلائی اور برائی کا ذمہ دار براہ راست وہ خود ہے۔ اس میں اتنی اخلاقی طاقت اور سمجھ بوجھ پیدا کرنی ہوگی کہ نہ دھن کے عوض اپنا ووٹ بیچے، نہ دھونس میں آکر اپنے ضمیر کے خلاف کسی کو ووٹ دے، نہ دھوکا دینے والوں کے دھوکے میں آئے، اور نہ دھاندلیوں سے بددل ہو کر گھر بیٹھ رہے۔ یہی کام تو ہم انتخابات میں حصہ لے کر کرنا چاہتے ہیں۔ کیا کوئی صاحبِ عقل آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اصلاحِ معاشرہ کا کام نہیں ہے؟ اور کیا کسی دانشمند کا یہ خیال ہے کہ اپنے ملک کے ووٹروں کو اس حیثیت سے تیار کیے بغیر یہاں کبھی انقلابِ قیادت ہو سکے گا؟

(اقتباس از تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل۔ ص ۲۱۱)

علامہ ابن تیمیہؒ کا تفسیری ورثہ

جناب ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی

(۲)

اسرائیلیات سے متعلق علامہ کا موقف اسرائیلیات سے مراد وہ تمام روایات وخرافات ہیں جو یہود ونصاریٰ کے ذریعے مسلمانوں میں داخل ہوگئیں۔ جن کے اہم اسباب یہ ہیں کہ یہود ونصاریٰ کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے ان کی باتوں کا مسلمانوں کے یہاں ایک خاص وزن تھا، چنانچہ بعض راویوں نے قرآن کی جن مجمل باتوں کی تفسیر یا تفصیل اہل کتاب سے ملی اسے روایت کردیا۔ ایک حدیث میں رسول اللہؐ نے بنی اسرائیل سے روایت کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے اہل کتاب مسلمان ہوئے۔ ان کے ذریعے بہت سی اسرائیلی روایات داخل ہوگئیں، نیز بہت سی اسرائیلیات بطور استشہاد قبول کی گئیں۔

اسرائیلیات کے سلسلہ میں علمائے تفسیر کے رویہ میں اختلاف رہا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کا موقف اس سلسلہ میں کافی متوازن ہے۔ انھوں نے اس طرح کی روایات کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے۔

ایک وہ روایات ہیں جن کی تصدیق قرآن واحادیث سے ہوتی ہے ان کی صحت وقبولیت میں کوئی کلام نہیں۔

دوسرے وہ روایات جن کے سر بسر غلط ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔

تیسری قسم وہ روایات ہیں جو پہلے یا دوسرے گروہ میں نہیں آتیں یعنی جن کی تصدیق یا تکذیب قرآن وحدیث سے نہیں ہوسکتی ہم بھی ایسی روایات کی نہ تو تصدیق کریں گے نہ تکذیب، ان کی روایت

اگرچہ جائز ہے لیکن اس طرح کی اکثر روایات ایسی ہیں جن کے ذکر سے کوئی دینی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ عام طور سے یہ اہم چیزوں سے توجہ ہٹانے کا سبب بنتی ہیں۔[1]

متقدمین کی تفاسیر کا جائزہ

ایک سوال کے جواب میں کہ زمخشری، قرطبی، البغوی اور دوسری تفسیروں میں سے کون سی کتاب و سنت سے زیادہ قریب ہے ابن تیمیہؒ نے متقدمین کی بعض تفسیروں سے متعلق جو رائے دی ہے وہ ایک طرح سے مختصر لیکن نہایت مفید جائزہ ہے اور متقدمین کی تفسیروں سے استفادہ کرنے والوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ علامہ کا جواب درج ذیل ہے:-

"ہر طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے، جو تفاسیر متداول ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح محمد ابن جریر طبریؒ کی تفسیر ہے۔ وہ پختہ سندوں سے سلف کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ بدعت سے پاک ہے اور مجروح راویوں مثلاً مقاتل بن کبیر اور الکلبی وغیرہ سے کوئی چیز نقل نہیں کرتے۔

ایسی بہت سی تفسیریں ہیں جن میں روایات بغیر سند کے ہیں۔ مثال کے طور پر عبدالرزاق، عبد بن حمید، وکیع، ابن قتیبہ، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کی تفسیریں۔

رہیں وہ تفسیریں جن کا نام لے کر سائل نے دریافت کیا ہے تو ان میں سے بغوی کی تفسیر بدعات اور ضعیف روایتوں سے سب سے زیادہ پاک ہے۔ لیکن (اصلاً) وہ ثعلبی کی تفسیر کا اختصار ہے جس سے انہوں نے موضوع احادیث کو حذف کر دیا ہے اور بدعات اور دوسری بہت سی چیزوں کو نکال دیا ہے۔

جہاں تک واحدی کا تعلق ہے تو وہ ثعلبی کے شاگرد ہیں لیکن عربی دانی میں ان سے بڑھ کر ہیں۔ ثعلبی خود بدعات سے محفوظ ہیں مگر دوسروں کی تقلید میں کچھ ذکر کر دیتے ہیں۔ ان کی تفسیر اور واحدی کی تفسیر البسیط، الوسیط اور الوجیز میں بڑے کام کی چیزیں ہیں، لیکن ان میں باطل روایات کا انبوہ بھی ہے۔

زمخشری کی تفسیر خلاف سنت نو ایجاد چیزوں سے پُر ہے۔ نیز معتزلہ کے اصولوں کے مطابق اس میں صفات اور رویت باری کا انکار، قرآن کا مخلوق ہونا اور اللہ تعالیٰ کا کائنات سے بے پروا اور بندوں کے افعال کا خالق نہ ہونا جیسے خیالات پائے جاتے ہیں۔

---

[1] ابن تیمیہ۔ مجموع فتاویٰ جلد ۱۳ ص ۳۴۵، ۳۴۶

قرطبی کی تفسیر اس سے کہیں بہتر ہے۔ یہ اہلِ قرآن و سنت کے طریقہ پر اور بدعات سے بہت دور ہے۔ یوں ان ساری تفاسیر میں قابلِ تنقید چیزیں بھی ہیں، لیکن خوب و ناخوب کے فیصلے میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

ابن عطیہ کی تفسیر بھی زمخشری کی تفسیر سے اچھی ہے اور روایت و بحث میں ان سے بہتر، نیز بدعات سے دور ہے، گوکہ چند ایک اس میں بھی پائی جاتی ہیں، لیکن زمخشری سے بہت ہی اچھی ہے، بلکہ ان تمام تفسیروں میں یہ سب سے زیادہ قابلِ ترجیح ہے۔ تاہم ابن جریر کی تفسیر ان تمام تفسیروں میں صحیح ترین ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی (قابلِ ذکر) تفسیریں ہیں مثلاً ابن الجوزی اور الماوردی کی تفسیریں[1]

قرآن کے معجزانہ پہلو قرآنِ کریم عربوں میں نازل ہوا جنہیں اپنی زبان پر اس قدر ناز تھا کہ اپنے سوا ساری دنیا کو عجم (گونگے) کہتے تھے، شعروشاعری کے سالانہ مقابلے ہوا کرتے تھے اور سال کے سب سے بہتر شاعر کی تخلیق کو درِ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے فصاحت و بلاغت اور زبان و بیان کا وہ الٰہی معیار پیش کیا جس کے آگے ان کی شعری تخلیقات بازیچہ اطفال نظر آنے لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے چوٹی کے شعراء نے قرآن سن کر شاعری ہی ترک کر دی۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قرآن اس لحاظ سے معجزہ ہے کہ اتنا فصیح و بلیغ کلام اور اس طرزِ بیان کا نمونہ پیش کرنا انسان کے بس سے باہر ہے اور قرآن کے بار بار للکارنے کے باوجود اس سے قاصر رہے، جو ایک آدھ کوششیں سامنے آئیں ان کی حیثیت مسخرا پن کے سوا کچھ بھی نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ ہے اور اس کا بدل نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اس لحاظ سے عرب اور عربی دانوں کے لیے معجزہ ہے۔ لیکن قرآن کا اعجاز صرف اسی ایک پہلو تک محدود نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے قرآن کے مختلف معجزانہ پہلوؤں کی طرف اشارے کیے ہیں، جن میں سے ہر ایک کو اگر تفصیل سے لکھا جائے تو اس پر مستقل کتاب بن سکتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے مطابق معجزات کے لیے معجزات کا لفظ قرآن و سنت میں موجود نہیں ہے،

[1] ابن تیمیہؒ، مجموع فتاوٰی جلد ۱۳ ص ۳۸۵ - ۳۸۸

بلکہ اس کی جگہ قرآن نے آیۃ، بیّنہ اور برہان کے لفظ استعمال کیے ہیں۔ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے معجزات کے لیے یہ الفاظ مناسب ترین ہیں۔ کیونکہ اللہ کی یہ نشانیاں اس کے رسولوں کی صداقت و حقانیت کی نشانی، نبوت اور دلیل ہوتی ہیں۔ علامہ نے مختلف آیات سے اس سلسلہ میں استشہاد کیا ہے[1]

قرآن کریم کے اعجازی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ "قرآن کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے روشن نشانیوں میں سے ہے جو آپ کی شریعت کی طرح قیامت تک باقی رہنے والی ہے[2]" قرآن مختلف وجوہ سے معجزہ ہے مثلاً الفاظ کا استعمال، نظم کلام، فصاحت و بلاغت، وہ معانی و احکام جن کا اس نے حکم دیا، اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ اسماء و صفات وغیرہ کا ذکر، اخبارِ غیب جو گذشتہ و آئندہ کے بارے میں اس نے بتلائیں، حیاتِ اُخروی کی باتیں اور اس پر یقینی و عقلی دلائل کا انبار، غرضیکہ لوگوں نے جو بھی وجہِ اعجاز بیان کیا ہے اس لحاظ سے وہ معجزہ ہے، اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ حقیقت میں ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک اعجازی پہلو پر متنبہ ہوا[3]

خلاصہ کلام یہ کہ اپنے معانی و مطالب کے اعتبار سے قرآن کا اعجازی پہلو اس کے زبان و بیان کے معجزہ سے کہیں بڑھ کر ہے، نوعِ انسانی کے سارے دانشور اس طرح کے معانی پر مشتمل کلام پیش کرنے سے عاجز ہیں[4] یہاں یہ بات قابلِ ذکر معلوم ہوتی ہے کہ مدرسۃ الاصلاح کے سابق شیخ التفسیر مرحوم مولانا داؤد اکبر اصلاحی نے قرآن کے معنوی اعجاز پر پورا ایک رسالہ سپردِ قلم کیا ہے، جس میں مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کا اصل معجزہ اس کے مضامین ہیں جو اس کے عالمی و ابدی ہدایت نامہ ہونے کا تقاضا ہے[5]

---

[1] ابن تیمیہؒ "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" بدون مقام، مکتبہ المجد التجاریہ بدون تاریخ الجزء الرابع ص ۶۷، ۶۸۔

[2] ایضاً ص ۷۰ [3] ایضاً ص ۷۴، ۷۵۔

[4] ایضاً ص ۷۸

[5] اصلاحی داؤد اکبر، قرآن مجید کا چیلنج، دائرۃ المصنفین، مبارک پور ۱۹۷۲ء

کچھ دیگر اہم مضامین علامہ ابن تیمیہؒ کے یہاں قرآنیات سے متعلق کچھ اور اہم تحریریں اور نکتے بھی پائے جاتے ہیں۔ خاتمۂ کلام سے قبل ان میں سے چند کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مجموع فتاوٰی ابن تیمیہ جلد ۴ کے چھ صفحات پر علامہ نے یہود اور بعض مسلمان مؤرخین کے اس دعوے کی تردید کی ہے کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام ہیں۔ آپ نے مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اصل ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں[1] متاخرین میں امام حمید الدین فراہیؒ نے اس موضوع پر پورا ایک رسالہ سپرد قلم کیا ہے اور موضوع کا حق ادا کر دیا ہے[2] دونوں میں موازنہ اور یہ کہ مولانا فراہیؒ علامہ ابن تیمیہؒ کی رایوں سے کہاں تک آگاہ و متاثر تھے، جانچنے کے لیے ایک الگ مضمون کی ضرورت ہے۔

اسی طرح اقسام القرآن پر بھی علامہ ابن تیمیہؒ نے بڑی قیمتی بحث کی ہے[3] علامہ کے شاگرد ابن القیم کی اس پر ایک مکمل کتاب ہے[4]۔ اپنی ایک کتاب میں امام بخاری نے بھی اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے[5]

مجموع فتاوٰی میں ہم کو "قرآن کے سات حروف میں نازل ہونے کا مطلب" "محکم و منسوخ کی قسمیں"، "معنی و تاویل میں فرق" "ترجمۂ قرآن" "ترتیب سور" "مختلف سورتوں کے تجزیے، نظم اور مرکزی مضامین وغیرہ جیسے اور بہت سے موضوعات ملتے ہیں[6] جن پر گفتگو اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں۔

تحقیق اور تالیف و ترتیب کی ضرورت علامہ ابن تیمیہؒ کی تفسیری ورثہ کے متعلق دو چیزوں کی ضرورت

---

[1] ابن تیمیہ، مجموع فتاوٰی جلد ۴ ص ۳۳۱-۳۳۶۔

[2] فراہی، حمید الدین، الرای الصحیح فی من ہو الذبیح دار المصنفین، اعظم گڈھ ۱۳۲۸ھ

[3] ابن تیمیہ، مجموع فتاوٰی جلد ۱۳ ص ۳۱۴-۳۲۸

[4] ابن القیم، التبیان فی اقسام القرآن، دار المعرفۃ بیروت، بدون تاریخ۔

[5] فراہی، حمید الدین، الامعان فی اقسام القرآن۔ دار المصنفین، اعظم گڈھ ۱۳۴۹ھ

[6] ان مضامین کے لیے مجموع فتاوٰی شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ کی چھ جلدیں ۱۲ تا ۱۷ ملاحظہ ہوں خاص طور سے تیرھویں جلد۔

راقم السطور شدت سے محسوس کرتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کو ریسرچ اور تحقیق کا موضوع بنا کر ان کی تحریروں کا علمی و تنقیدی جائزہ لیا جائے کہ کہاں تک علامہ نے اپنی تحریروں میں طبعی و تخلیقی مواد پیش کیا ہے اور کہاں تک متقدمین کی کاوشوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ کیونکہ علامہ نے خود تحریر کیا ہے کہ کبھی کبھی ایک آیت کی تفسیر سمجھنے کے لیے انھوں نے سینکڑوں تفاسیر کی ورق گردانی کی ہے اور جب کسی طرح گرہ کشائی نہیں ہوئی تو کسی دور افتادہ مسجد میں پہنچ کر بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہو کر "یا معلّم آدم و ابراہیم علمنی، و یا معلّم ابراہیم فہمنی کا ورد کیا ہے"[1]

عربی میں "ابن تیمیہؒ وجہودہ فی التفسیر" کے عنوان سے ابراہیم خلیل برکۃ نے ایک رسالہ تحریر کیا ہے لیکن دو سو صفحات پر مشتمل اس کتاب میں اصل موضوع پر مشکل سے ساٹھ صفحے صرف کیے گئے ہیں[2]۔ علم تفسیر سے متعلق علامہ ابن تیمیہؒ کی خدمات کو دیکھتے ہوئے مذکورہ کتاب نہایت تشنہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو باقاعدہ تحقیق کا موضوع بنایا جائے۔

دوسری چیز جس کو راقم شدت سے محسوس کرتا ہے وہ یہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ کی ساری تحریروں کا جائزہ لے کر قرآنی ترتیب سے ان کی تفسیر مرتب کی جائے۔ اس مضمون کے شروع میں "دقائق التفسیر" کے عنوان سے اس طرح کی ایک کوشش کا ذکر آیا ہے۔ لیکن مختلف وجوہ سے راقم محسوس کرتا ہے کہ یہ کوشش بھی ناقص ہے۔ اس کے مقدمہ میں مرتب نے بڑے بڑے دعوے کیے ہیں مثلاً یہ کہ اس کام پر انھوں نے دس سال صرف کیے۔ انھوں نے علامہ کی ساری کتابوں کا جائزہ لے کر اسے مرتب کیا ہے۔ انھوں نے ہر تفسیر کے ماخذ کو درج کیا ہے، غلطیوں کی تصحیح کی ہے وغیرہ۔ مگر کتاب پڑھنے کے بعد یہ سارے دعوے کھوکھلے معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے اس کام پر کتنے سال صرف کیے اور ان سالوں میں کتنا وقت واقعی اس کام پر دیا اس کا علم تو نہیں ہوگا، مگر سوائے چند ایک اضافے جو علامہ کی کتابوں میں یکجا مل گئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرتب و محقق نے مجموع فتاویٰ کی پانچ جلدیں ۱۳ تا ۱۷ الگ سے شائع کر دی ہیں، پہلی جلد میں حوالے بھی

---

[1] ابن الہادی - العقود الدریۃ ص ۲۶

[2] برکۃ ابراہیم خلیل، ابن تیمیہ وجہودہ فی التفسیر بیروت المکتبۃ الاسلامی ۱۹۸۴ء کل صفحات ۲۰۰۔

اکثر غائب ہیں۔ بظاہر کتاب نہایت صاف و خوبصورت انداز پر شائع ہوئی ہے۔ مگر مطبع کی غلطیوں کے علاوہ کئی جگہوں پر سطروں بلکہ پوری فصل کی تکرار ہے۔ مرتب کی علمی دیانت یا بے خبری کا یہ حال ہے کہ اس سے پہلے ابن تیمیہؒ کی تفسیر سے متعلق جو یک جا مجموعے شائع ہو چکے تھے، ان کا انہوں نے مقدمہ میں ذکر نہیں کیا۔ مولانا عبدالصمد شرف الدین کی تحقیق و ترتیب سے شائع ہونے والی چھ سورتوں کی تفسیر کو دقائق التفسیر کے جامع نے مع ان کے ملاحظات کے شامل کر لیا ہے، لیکن اندر حاشیہ میں معمولی تذکرہ کے سوا کہیں ذکر نہیں، حالانکہ مقدمہ میں اس بات کو واضح طور سے شکریہ کے ساتھ دینا چاہیے تھا۔

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ اسے اور مکمل بنایا جا سکتا ہے ایک مثال پیش ہے۔ اس مجموعہ میں کئی چھوٹی سورتوں کے ساتھ ساتھ سورۃ الفیل کی تفسیر بھی غائب ہے۔ حالانکہ علامہ ابن تیمیہؒ کی کتاب "الرای الصیح لمن بدل دین المسیح" کے جزء چہارم میں دو صفحات پر مشتمل اس کی اچھی تفسیر موجود ہے[1] جس کو اس مجموعہ میں شامل کیا جا سکتا تھا۔ توقع ہے کہ علامہ کی ساری کتابوں کا بغور جائزہ لینے سے "دقائق التفسیر" کی بہت سی کمیوں کو پورا کر کے "تکمیل الدقائق" ظہور میں آ سکتی ہے۔

---

[1] ابن تیمیہ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح۔ الجزء الرابع ص ۱۲۰ - ۱۲۰۔

اِسلامی تشکیلِ تعلیم

اُردو سائنس بورڈ کا سوال نامہ اور جوابات

نعیم صدیقی

ذیل کا سوال نامہ جناب اشفاق احمد صاحب کے مراسلاتی خط کے ساتھ موصول ہوا اور اصرار تھا کہ ضرور اور جلد جواب دیا جائے۔ (ن۔ ص)

سوال نامہ کمیشن برائے اسلامی تشکیلِ تعلیم :-

مکرمی و محترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نفاذِ شریعت آرڈیننس ۱۹۸۸ء کے تحت نظامِ تعلیم کی اسلامی تنظیم کے لیے ایک مستقل کمیشن قائم ہو چکا ہے اور یکم اگست ۱۹۸۸ء سے اپنے کام میں مشغول ہے۔

ابتدائی غور و خوض کے بعد منجملہ دیگر مسائل کے مندرجہ ذیل نکات خاص طور پر زیرِ بحث آئے ہیں۔

۱۔ اسلامی شعائر و اقدار اور نظریۂ پاکستان کا تحفظ۔

۲۔ تعلیمی نظام میں اسلامی اخوت و مساوات کے اُصول کا عملی نفاذ اور ملک میں رائج مختلف اور متعدد نظام ہائے تعلیم کا جواز یا عدم جواز۔

۳۔ نصابات اور نصابی کتابوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا۔

۴۔ معیارِ تعلیم کی بلندی۔

۵۔ دینی مدارس میں معاشرتی و سائنسی علوم کو شاملِ نصاب کرنے کی ضرورت۔

۶ ۔ اسلامی نظامِ تعلیم میں طلبا اور اساتذہ کی تنظیموں کا جواز ۔

اِن نکات کے علاوہ کسی مزید پہلو کی نشاندہی فرماسکیں تو اُسے بھی زیرِ غور لایا جاسکتا ہے ۔ اس سلسلہ میں آپ کی رائے اور عملی تجاویز ہمارے کام میں ممد و معاون ثابت ہوسکتی ہیں ۔

میں ممنون ہوں گا اگر آپ اس خط کے جواب میں توقف نہ فرمائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء تک ہمیں آپ کا جواب موصول ہوجائے ۔

فقط مخلص

اسم گرامی و مہر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی

(صدر نشین کمیشن)

سوالنامے کے جوابات از نعیم صدیقی

محترمی و مکرمی ڈاکٹر محمد رضی الدین صاحب صدیقی صاحب ! صدر نشین کمیشن برائے اسلامی تشکیلِ جدید

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ آپ جیسے مخلص بزرگ کی طرف سے میرے نام سوالنامہ تعلیمی کا اجراء عزت افزائی ہے ۔ شکریہ عرض کرتا ہوں ۔

سوال نامے کے جوابات سے پہلے کچھ تمہیدی گذارشات !

جب سے پاکستان بنا ہے، اسلامی تعلیم، اسلامی قانون، اسلامی اقتصادیات اور دوسرے ضمنی مباحث کے متعلق بارہا سوالنامے جاری ہوئے اور بارہا دل لگا کر جواب لکھے مگر پرنالہ وہیں رہا ۔ اب آپ نے پکارا تو کثیر اربابِ علم و فضل اور اصحابِ تجربہ و عہدہ کے سامنے میں بھی اپنی طالب علمانہ اور درویشانہ استعداد کے ساتھ حاضر ہوں ۔ ع

جو کام ہمارا ہے وہ ہم کرتے رہیں گے

دوسری پیچیدگی یہ سامنے ہے کہ بگڑتی ہوئی جمہوریتوں کے ہاتھوں لحاظ داریوں اور ووٹر نوازیوں کی وجہ سے بہت سے ایسے کارنامے نمودار ہوتے رہتے ہیں کہ جب مارشل لا وارد ہوجاتا ہے تو وہ ان کارناموں کے ساتھ بعض اچھی چیزوں کا بھی صفایا کر دیتا ہے ۔ اسی طرح مارشل لا کے دور میں جو بھی بُرے اور اچھے کام ہوتے ہیں، جمہوریت ان پر جھاڑو پھیر دیتی ہے ۔ آپ کا کمیشن گو جمہوری دور سے تعلق رکھتا ہے ۔ مگر صدر پاکستان مرحوم کی طرف سے اسمبلیاں برطرف کر دینے کے بعد بذریعہ آرڈیننس قائم ہوا ہے ۔ کچھ معلوم نہیں کہ آنے والی

منتخب پارلیمنٹ اس کے ساتھ اور اس کی خدمات کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔
تعبیر یہ سب کچھ اللہ کے سپرد، کمیشن اچھے مقصد کے لیے قائم ہوا ہے اور آپ کی صدارت میں جو خطوط کاوش اس کی طرف سے سامنے آتے ہیں وہ مبارک ہیں، لہٰذا آپ سے تعاون کرنا ضروری ہے۔

سوال نمبر (۱)

میں اس سوال کی تائید کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ملّتِ پاکستان کا نظامِ تعلیم طے کرنے سے پہلے ایک سوال انتہائی اہم ہے اور اس کا دوٹوک جواب اوّل تو ہمارے سامنے پہلے دن سے ہونا چاہیئے تھا، ورنہ کم سے کم آج تو مسئلہ تعلیم (و دیگر مسائل) پر سوچنے سے پہلے اسے طے کر لینا چاہیے۔
افسوس ہے کہ یہ سادہ سا سوال نہ تو اس وقت طے ہو سکا جب "پاکستان کا مطلب کیا؟ — لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ" کے نعروں سے فضائیں لرز رہی تھیں۔ پھر یہ اس وقت بھی ایک فیصلے تک نہ پہنچا جب کہ دستور یہ نے قراردادِ مقاصد پاس کی، گذشتہ مارشل لا دور میں اسلامائیزیشن کے سلسلہ عمل کے درمیان بھی یہ موقع پیدا نہ ہوا کہ ہمارا مسئلہ فرقان حل ہو جائے۔ اب آپ کے سوال نامے نے میری توجہ پھر اس کی طرف مبذول کر دی ہے۔

بنیادی طور پر زندگی کے دو ٹائپ ہیں: ایک ملحدانہ اور مادہ پرستانہ، دوسرا خدا پرستانہ اور اخلاق پسندانہ۔ سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے انسان بنانا مطلوب ہے اور ان کے ذریعے کیسا معاشرہ تیار کرنا اور کیسا نظامِ اجتماعی چلانا ہے۔ ہم کس طرز کی تہذیب اضطراب زدہ انسانیت کے سامنے پاکستان کے ذریعے پیش کرنا چاہتے ہیں۔
اگر ہم مسلمان افراد، مسلمان معاشرہ، اسلامی عدلِ اجتماعی اور اسلامی تہذیب کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو اس فیصلے کی مدد سے نظامِ تعلیم کا ڈھانچہ اور اس کی رُوح اور اس کی ساری ضروریات حاصل ہو سکتی ہیں، اور ہر مشکل کا حل نکل سکتا ہے۔
سوال نامے کے الفاظ "اسلامی شعائر و اقدار اور نظریۂ پاکستان" کے الفاظ میں یقیناً اصل مدعا موجود ہے۔ لیکن اس طرح کے خوبصورت الفاظ مریضانِ گریز کو اس بات کا موقع دیتے ہیں کہ وہ کچھ لفظوں سے کام چلائیں مگر اصل مقصد کو سر نہ اُٹھانے دیں۔ الفاظ و اصطلاحات کے اسی کھیل نے ہمارے چالیس برس برباد کر دیئے۔ طرح طرح کے تجربے، بار بار بدلتے نصاب اور نصابی کتابیں، اور نتیجہ انتشار اور ایک لایعنی پن، جو ہر طرف طاری ہے۔

میرا خیال ہے کہ بات ذرا کھلے الفاظ میں اور صاف اسلوب سے کہنی چاہیے۔

سوال (۲)

ہمارا معاشرہ جس شکل میں طبق بر طبق بنا ہوا ہے، اسی کی وجہ سے ہر معاملے میں عدم مساوات کو قائم رکھا جاتا ہے۔ اصلاح کا ایک نقطۂ آغاز تعلیم گاہ (یا نظامِ تعلیم) ہے۔ بدقسمتی سے خود اسی سرچشمۂ اصلاح کو کج اندیشی و غلط کاری نے اتنا گدلا کر دیا ہے کہ آگے کچھ بنتا ہی نہیں، بلکہ تعلیمی ادارے خود فتنوں اور تصادمات کا ایک سرچشمہ بن گئے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ ملک بھر میں عرصہ سے دو مطالبے بڑے زور پر رہے ہیں۔ ایک یہ کہ دو طرزہ کے یا دو لسانی نظام ہائے تعلیم کی وجہ سے یک بام و دو ہوا کا جو تفرقہ انگیز اور طبقہ ساز ماحول بن گیا ہے اُسے ایک قلم ختم کر دیا جائے۔ خاص زور اس پر دیا جاتا رہا ہے کہ غیر ملکی ذرائع سے چلنے والے اور انگلش میڈیم اسکولوں سے جلد نجات حاصل کی جائے۔ مگر نہ کوئی جمہوریت ایسا کر سکی اور نہ مارشل لا۔ اب خدا کرے آپ کا کمیشن اس مہم کو سر کرانے میں مؤثر پارٹ ادا کر سکے۔

دوسرا مطالبہ جس کا بہت زیادہ تعلق اس سوال سے نہیں ہے، یہ ہے کہ عورتوں کے لیے الگ یونیورسٹی اور کالجوں کا اہتمام کرنا اشد ضروری ہے۔

ہماری تہذیبی تاریخ میں عقیدۂ توحید کے جو وسیع عمرانی اثرات پڑے، ان میں کئی ایسے واقعات شامل ہیں جو "وحدتِ نظامِ تعلیم" کے حق میں مہرِ شہادت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مثلاً ایک واقعہ ——

ہارون اور مہدی (عباسی دور کے شہزادے) دونوں نے امام مالکؒ کے درسِ مؤطا میں یہ خواہش کی کہ ان کو دوسرے طلبہ سے الگ خیمۂ خلافت (شاہی) میں بیٹھ کر املا کرنے کی اجازت دی جائے۔
امام صاحب نے انکار کر دیا[1]۔

یعنی ہمارے یہاں کسی طرح کے فرق و امتیاز کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

چلتے چلتے ایک واقعہ اور سن لیجیے جس سے ہماری روایت واضح ہوتی ہے۔ خالد بن احمد ذہلی امیرِ بخارا

[1] حیاتِ مالکؒ از سید سلیمانؒ ندوی۔

نے امام بخاری کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے گھر پر بلایا۔ مگر انہوں نے علمِ حدیث کے تقدس (اور عوامی مساوات) کو سامنے رکھتے ہوئے انکار کر دیا۔ پھر امیر بخارا نے چاہا کہ مدرسے کے اندر اس کے بچوں کو نشست اور سلوک میں ترجیح دی جائے۔ امام نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ امیر بخارا کو غصہ آیا اور انہوں نے امام کو شہر بدر کرا دیا۔ اِدھر تھوڑے ہی عرصے بعد خالد امیر بخارا کو معزول کر دیا گیا اور مخالفوں نے گدھے پر سوار کر کے اس کی تشہیر کرائی۔[1]

اب ہمارے ہاں اس روایت کے مطابق تعلیمی مساوات قائم ہونی چاہیے۔ جس کا اصل الاصول یہ ہو کہ تمام درس گاہوں کی تعلیمی اور امتحانی زبان اُردو ہوگی، تمام مدارس میں ہر بچے کے لیے داخلے کا دروازہ کھلا ہوگا۔ سب جگہ نصاب و نصابی کتب ایک نہ بھی ہوں تو ان کا معیار ایک جیسا ہوگا، سب جگہ ماحول اور معیار اور وسائل یکساں ہوں گے۔ تمام طلبا کے لیے اسکولی لباس سادہ اور یکساں ہوگا، اور کسی بھی تعلیم گاہ سے ایک خاص سطح کے فارغ التحصیل طلبہ کو مختلف ملازمتوں اور انٹرویوز میں شامل ہونے کا یکساں موقع ملے گا۔ (مقررہ معیارِ تعلیم اور نمبروں وغیرہ کی شرط کے ساتھ)۔

اِس طرح مساوات کا اُصول نظامِ تعلیم میں نافذ کرنے کے لیے کچھ طور اطوار اور شعائر میں مماثلت پیدا کرنی ہوگی ـــــ اور اس کے لیے دو چار سال کی مہلت دی جا سکتی ہے۔ مگر مہلت برائے التوائے بے جا نہیں!

(باقی)

---

[1] مظاہر حق۔ جلد ۱۔

غُثَآءً اَحْوٰی کے معنی

جناب محمد رفیق صاحب

ماہنامہ ترجمان القرآن (شمارہ مئی ۱۹۸۸ء) میں جناب محمد فاروق صاحب (بھارت)، کا ایک مضمون "اسلام کا فلسفۂ اخلاق" شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے سورۂ اعلیٰ کی آیت نمبر ۵ میں غُثَآءً اَحْوٰی کا ترجمہ ایسی گھنی نباتات کیا ہے جو سیاہی مائل سرسبز و شاداب ہو۔ سورۂ اعلیٰ کی آیت نمبر ۴، ۵ کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے:

وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۝ اور جس نے نباتات اگائیں، پھر ان کو
فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ۝ گھنی سرسبز و شاداب بنایا۔

اِس ترجمے کی غلطی کے بارے میں شیخ نور الٰہی صاحب ایڈووکیٹ (گجرات)، نے بھی ایک خط کے ذریعے ہمیں توجہ دلائی ہے۔ مزید برآں اس سے ملتا جلتا ترجمہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی کیا ہے اور ان کے نزدیک "غُثَآءً" کے معنی وہ سبزہ ہے جو زمین کی زرخیزی کی وجہ سے اچھی طرح گھنا اور سیاہی مائل ہو گیا ہو۔ اور ان کے نزدیک "اَحْوٰی" کے معنی وہ سیاہی مائل سُرخی یا سبزی ہے جو کسی شے پر اس کی تازگی، شادابی اور زرخیزی کی وجہ سے نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس ترجمے کے قائلین کی مزید تحقیق یہ ہے کہ "غُثَآءً" کے معنی اگرچہ "سیلاب کے خس و خاشاک" کے بھی ہیں، مگر یہ معنی یہاں مراد نہیں ہیں۔ کیوں کہ اس لفظ (غُثَآءً) کی صفت اَحْوٰی آئی ہے جس سے اُن کے خیال میں وہ سیاہی ہرگز مراد نہیں لی جا سکتی جو کسی شے کی کہنگی، بوسیدگی اور پامالی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

لیکن ہمیں "غُثَآءً اَحْوٰی" کے اس مذکورہ ترجمے سے سخت اختلاف ہے، کیونکہ یہ ترجمہ قرآن مجید

کی قطعی نص اور عربیت کے خلاف ہے ۔ اور ہمارے نزدیک اِن دونوں آیات کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

" اور جس نے نباتات اُگائی، پھر اُسے سیاہ کوڑا کر دیا ۔"

قرآنی دلیل عربی زبان میں غُثَآءً کے معنی وہ نہیں ہیں جو ان حضرات نے سمجھے ہیں ۔ بلکہ اس کے اصل معنی خس و خاشاک ہی کے ہیں ۔

سورۂ مومنون میں قومِ صالح پر عذاب کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ:

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ج (المومنون آیت: ۴۱)

پھر ہمارے وعدۂ برحق کے مطابق اُن کو سخت آواز (عذاب) نے آ پکڑا اور ہم نے اُن کو خس و خاشاک (کی طرح پامال) کر دیا ۔

مذکورہ آیت میں " غُثَآءً " کے معنی خس و خاشاک اور "سیاہ کوڑے" کے آئے ہیں ۔ اور اس سے گھنا سیاہی مائل سبزہ مراد نہیں لیا جا سکتا ۔

عربی لُغت کے دلائل مشہور عربی لُغت لسان العرب میں اہلِ لُغت کی یہ تصریحات موجود ہیں کہ " غُثَآءً اَحْوٰی کے معنی سیاہ خشک گھاس یا خس و خاشاک کے ہیں ۔

ا۔ الفرّاء فی قوله تعالیٰ: وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ہ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی، قال: اذا صار النبت یبیسًا فھو غُثَآءً، وَالْاَحْوٰی الذی قد اسودّ من القِدم والعِتق، وقد یکون معناه اَیضًا اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۔ أی اخضر فجعله غُثَآءً بعد خضرته فیکون مؤخرا معناه التقدیم ۔ والاحوٰی: الاسود من الخضرة، کما قال: مُدْهَآمَّتٰنِ ۔

(لسان العرب ۔ ابن منظور، جلد ۱۴ ص ۲۰۷)

(فراء نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کہ " وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ہ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی " کے بارے میں کہا ہے کہ جب نباتات سوکھ کر خشک ہو جائے تو اُسے غُثَآءً کہتے ہیں ۔ اور اَحْوٰی اُس چیز کو کہتے ہیں جو بوسیدگی اور قدامت کی وجہ سے سیاہ ہو جائے ۔ اس کے معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی کہ اُسے سبز اُگایا اور

پھر خشک کر دیا اور اس طرح دونوں جملوں میں تاخیر و تقدیم ہوگئی ہے اور اَحْوٰی کے معنی زیادہ سرسبز و شاداب ہونے کی وجہ سے سیاہ ہونے کے بھی ہیں، جیسے (قرآن میں) مُدْهَآمَّتٰنِ (دو سرسبز سیاہی مائل باغ) آیا ہے۔

۲۔ وقال الزّجاج فی قوله تعالٰی: اَلَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی فجعلهٗ غُثَآءً اَحْوٰی، قال: جعلهٗ غُثَاءً جفّفهٗ حتّٰی صیّرهٗ هشیمًا جافًا کالغثاءِ الذی تراه فوق السیل، وقیل معناه اخرج المرعی الاحوی أی اخضر فجعله غثاءً بعد ذلک أی یابسًا۔

(لسان العرب۔ ابن منظور، جلد ۱۵، ص ۱۱۶)

ترجمہ۔ الزجاج نے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کہ اَلَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ه فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ه کے بارے میں کہا ہے کہ غُثَاءً بنا دینے سے مراد یہ ہے کہ اس سبزے اور نباتات کو خشک اور چورا بنا دیا جیسے سیلاب کے اوپر خس و خاشاک نظر آتے ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں اخرج المرعی الاحوی یعنی سبز نباتات کو اُگایا اور پھر اس کے بعد اسے غُثَاءً یعنی خشک کر دیا۔

۳۔ ابن قتیبہ نے تفسیر غریب القرآن میں لکھا ہے کہ:

فَجَعَلَهٗ غُثَاءً اَی یَبَسًا (پھر اسے غُثَاءً بنا دیا یعنی خشک بنا دیا)۔

(اَحْوٰی) اسود من قِدمه واحتراقه (جو بوسیدگی یا جل کر راکھ ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو چکا ہو) (تفسیر غریب القرآن ص ۵۲۴، طبع بیروت)

۴۔ مشہور لغوی مفسر علامہ زمخشری نے غُثَاءً کے بارے میں یہ تحقیق کی ہے۔

وهو الحمیل السیل مما بلی واسود من العیدان والورق۔

(الکشّاف للزمخشری، جلد ۳، ص ۳۴۲ مطبوعہ بیروت)

"غُثَآءً" سے مراد سیلاب کے خشک اور سیاہ خس و خاشاک ہیں جو اصل میں بوسیدہ لکڑیوں کے ٹکڑے اور درختوں اور پودوں کے سوکھے ہوئے پتے ہوتے ہیں۔

اسی تفسیر میں غُثَآءً اَحْوٰی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ:

اَحْوٰی صفة لغثاء : ای (اخرج المرعی) انبته (فجعله) بعد خضرته ورفیفه (غُثَآءً اَحْوٰی) دَرِیْنًا أسود، ویجوز ان یکون حالاً من المرعٰی : ای اخرجه احوٰی اسود من شدّة الخضرة والرّیّ فجعله غثاء بعد حوته۔

(الکشاف للزمخشری، جلد ۴، ص ۲۴۳ - مطبوعہ مصر)

(اَحوٰی یہاں غُثَاءً کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ گویا اَخْرَجَ الْمَرْعٰی سے مراد ہے کہ نباتات اُگائی اور فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی یعنی اس کو تروتازہ سبزہ بنانے کے بعد سیاہ خشک کر دیا۔ اور یہ معنی بھی جائز ہیں کہ اَحْوٰی حال ہو المرعٰی کا۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہے کہ سبزہ اُگایا جو تروتازگی اور شادابی کی وجہ سے سیاہی مائل تھا اور اس کے بعد اسے خشک سیاہ بنا دیا۔

۵ ۔ مشہور مفسر قرطبی نے غثار کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

۱۔ الغثاء = الشئ الیابس یعنی غُثَاءً سے خشک چیز مراد ہے۔

پھر اس کی مزید تشریح یہ کی ہے کہ :

الغثاء ما یقذف به السیل علی جوانب الوادی من الحشیش و النبات والقماش - یعنی غُثَاءً سے مراد وہ گھاس پھوس اور کوڑا کرکٹ ہے جسے سیلاب وادیوں کے کناروں پر پھینک دیتا ہے۔

ویُقال للبقل والحشیش اذا تحطم ویبس : غثاء وھشیم۔

یعنی جب سبزہ اور گھاس ریزہ ریزہ اور خشک ہو جائیں تو اسے غُثَاء یا ھَشِیْم کہا جاتا ہے۔

پھر اسی تفسیر میں غُثَآءً اَحْوٰی کے بارے میں مشہور ماہرین لغت ابوعبیدہ اور عبدالرحمٰن بن زید کے یہ اقوال بھی موجود ہیں۔

وقال ابوعبیدة : فجعله اسود من احتراقه وقِدمه - والرطبُ اذا یبس اسودّ - وقال عبدالرحمٰن بن زید : اخرج المرعٰی اخضرَ

ثم لما يبس اسودّ من احتراقه ، فصار غثاء تذهب به الرياح والسيول ۔

(ابوعبیدہ نے اس غثاء احوٰی کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ اُسے بوسیدہ ہونے یا جل کر راکھ ہونے کی وجہ سے سیاہ کوڑا کر دیا ، اور سبزہ جب خشک ہو جاتا ہے تو سیاہ ہو جاتا ہے ۔ اور عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبز نباتات اُگائی ۔ پھر جب وہ خشک ہوئی اور سیاہ راکھ بن گئی تو وہ غُثَاء ہے جسے ہوائیں اُڑاتی ہیں اور سیلاب بہا لے جاتے ہیں ۔

(ان حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی، جلد ۱۰، ص ۱۷، ۱۸ ۔ طبع بیروت)

۶ ۔ تفسیر البحر المحیط میں ابن حیان اندلسی نے غُثَاءً اَحْوٰی کے ضمن میں لکھا ہے :

قال ابن عباس المعنى فجعله غثاءً أحوى - أي اسود لأن الغثاء اذا قدم واصابته الامطار اسود وتعفن فصار أحوى

(البحر المحيط ، لابن حيان اندلسي ، جلد ۸ ، ص ۴۵۸)

(ابن عباسؓ کا قول ہے کہ غثاء احوٰی کے معنی ہیں کہ غثاء یعنی خشک نباتات سیاہ ہو گئی کیونکہ خشک نباتات جب بوسیدہ ہو جاتی ہے تو بارش وغیرہ کے اثر سے سڑ کر سیاہ ہو جاتی ہے اور احوٰی ہونے کے یہی معنی ہیں) ۔

۷ ۔ تفسیر قاسمی (محاسن التاویل) میں محمد جمال الدین قاسمی نے سورۃ اعلیٰ کے اس مقام کی تفسیر اس طرح کی ہے :

اَلْمَرْعٰى : أي أخرج من الارض مرعى الانعام من صنوف النبات "فجعله" أي بعد خضرته ونضرته "غُثَاءً" أي جافًّا يابسًا تطير به الريح ۔

"احوى" أي اسود ، صفة مؤكدة (لغثاء) لان النبات اذا يبس تغير إلى (الحوّة) وهي السواد ۔

(تفسير قاسمي ، جلد ۱۰ ، ص ۱۲۶ ، طبع بيروت) ۔

(..... اَلۡمَرۡعٰی کے معنی ہیں کہ زمین سے مختلف قسم کی نباتات اُگائیں جو مولیشیوں کے لیے گھاس چارہ ہے۔ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً یعنی اس نباتات کو سرسبزی و شادابی کے بعد اُسے ایسا خشک کر دیا جیسے ہوا اُڑائے پھرتی ہے۔

اور "اَحۡوٰی" کے معنی "سیاہ" کے ہیں اور یہ غُثَآء کی صفت کے طور پر آیا ہے کیونکہ جب سبزہ خشک ہو جاتا ہے تو اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔)

۸۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباسؓ سے غُثَآءً اَحۡوٰی کی یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ:

۔(فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی) قَالَ ابن عباس: هَشِيمًا مُتَغَيِّرًا۔

(بحوالہ تفسیر ابن کثیر، جلد ۴، ص ۵۰۰، طبع بیروت)

یعنی اس سے مراد ہے سیاہ رنگ میں تبدیل شدہ کوڑا یا چورا۔

لغت و تفسیر کی ان تصریحات سے درج ذیل امور بالکل واضح ہیں:

۱۔ لفظ غُثَآء کے لغوی معنی یہ ہیں:

خس و خاشاک، سوکھی ہوئی گھاس پھونس، خشک نباتات، خشک چورا اور کوڑا وغیرہ۔

۲۔ لفظ اَحۡوٰی کے لغوی معنی دو ہیں:

۱۔ ایسی نباتات جو کہنگی اور بوسیدگی کی وجہ سے سیاہ ہو چکی ہو۔

۲۔ ایسی نباتات جو تازگی و شادابی اور زرخیزی کی وجہ سے سیاہ مائل سبز ہو گئی ہو۔

۳۔ پھر جن لوگوں نے لفظ اَحۡوٰی کو غُثَآء کی صفت مانا ہے، انہوں نے اس کے پہلے معنی مراد لیے ہیں۔ یعنی کہنگی اور بوسیدگی کی وجہ سے سیاہ ہونے کا مفہوم۔

اور ان کے نزدیک دونوں آیات کا مطلب یہ ہے کہ:

"وہ جس نے نباتات اُگائی اور پھر اُسے سیاہ خس و خاشاک بنا دیا"۔

۴۔ جن لوگوں نے اَحۡوٰی کو اَلۡمَرۡعٰی کی صفتِ مؤخر قرار دیا ہے۔ انہوں نے اَحۡوٰی کو مذکورہ دوسرے معنوں میں لیا ہے اور ان کی رائے میں دونوں آیات کا مفہوم یہ ہے۔

"وہ جس نے سیاہی مائل سبز نباتات اُگائی اور پھر اُسے خس و خاشاک بنا دیا"۔

گویا اَحۡوٰی کے دو مختلف لغوی معنوں کے باوصف جس مفہوم پر علمائے لغت و مفسرین کرام

کا کامل اتفاق اور اجماع ہے وہ یہ ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و عجیبہ ہے کہ اس نے پہلے سبزہ پیدا کیا اور ہر طرح کی نباتات اُگائی اور پھر کچھ عرصے کے بعد اُسے خس و خاشاک اور خشک و سیاہ چورے میں تبدیل کر دیا"۔

سورۂ اعلیٰ کی ان دونوں آیات کی یہی تفسیر قرآن مجید کے دوسرے نصوص اور نظائر سے مطابقت رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر اس کی درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

۱۔ سورۂ زمر میں ارشاد ہوا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝

(الزمر - آیت - ۲۱)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی آسمان سے پانی اُتارتا ہے - پھر اُسے چشمے بنا کر زمین میں چلا دیتا ہے - پھر اس کے ذریعے سے مختلف رنگوں کی کھیتی اُگاتا ہے - پھر وہ خوب بڑھتی ہے - پھر تو اُسے زرد شدہ دیکھتا ہے - پھر وہ اُسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے، بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے بڑی نصیحت ہے۔

۲۔ سورۂ حدید میں فرمایا گیا ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ

(الحدید - آیت - ۲۰)

جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زیبائش اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد چاہنا ہے - جیسے بارش کی حالت کہ اس کی روئیدگی سے کسان خوش ہو جائیں پھر وہ اُبھرے اور تم اُسے زرد دیکھو، پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔

۳۔ سورہ کہف میں بیان ہوا:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝

(الکہف - ۴۵)

اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کرو جیسے پانی کہ جسے ہم نے آسمان سے برسایا پھر زمین کی روئیدگی پانی کے ساتھ مل گئی۔ پھر وہ ریزہ ریزہ ہوگئی، جسے ہوائیں اُڑاتی پھرتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

آخری آیت میں وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا۔ (اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے) سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ سرسبز نباتات اُگانا اور پھر اُسے زرد، خشک اور سیاہ خس و خاشاک کر دینا اور اُسے چورا چورا بنا دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اور یہی مضمون سورۂ اعلیٰ کی زیر بحث آیات میں بھی دہرایا گیا ہے۔ اور یہ چیز قرآن مجید میں تصریف آیات کے اسلوب کے بالکل مطابق ہے کہ ایک ہی مضمون بار بار کئی طرح سے بیان ہوتا ہے۔ اور اس سے ایک اور مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے کہ اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا یعنی قرآن کا بعض حصہ اُس کے بعض حصے کی تفسیر کرتا ہے۔ گویا قرآن اپنی تفسیر آپ کر دیتا ہے۔

اب جو لوگ ان آیات کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے نباتات اُگائی اور پھر اُسے گھنا اور سرسبز و شاداب بنا دیا۔"

تو یہ مفہوم لینے میں چند در چند کمزور پہلو ہیں۔

۱۔ اس مفہوم میں پہلا کمزور پہلو یہ ہے کہ اس میں لفظ "غُثَآءً" (خس و خاشاک) کے وہ صحیح معنی شامل نہیں ہیں جو قرآن مجید اور عربیت میں مستعمل ہیں اور جس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔

۲۔ اس مفہوم میں دوسرا کمزور پہلو یہ ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کا صرف ایک جز بیان ہوتا ہے کہ اُس نے سرسبز و شاداب نباتات اُگائی۔ اور اتنی بات کے اظہار کے لیے دو آیتیں نازل کی گئیں۔ اس کے برعکس صحیح مفہوم کے مطابق دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور

ابتدا سے انتہا تک کامل طور پر ہوتا ہے کہ اس نے سرسبز نباتات اگائی اور پھر ایک وقت آیا جب اسے سیاہ چورے اور خس و خاشاک میں تبدیل کر دیا۔

۳۔ اِس مفہوم میں تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی کے لفظ اَخْرَجَ سے صرف نباتات کو زمین سے اگا دینے کی حالت مراد لی گئی ہے اور بعد کے مراحل مثلاً اس کا بڑھنا اور پھلنا پھولنا مراد نہیں لیا گیا جب کہ قرآن مجید میں اَخْرَجَ کا لفظ اس طرح کے قرینے کے ساتھ جو یہاں موجود ہے، محض اگانے کی حالت بیان کرنے کے لیے نہیں آتا بلکہ اس لفظ میں بعد کے مراحل — بڑھنا اور پھلنا پھولنا وغیرہ — کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر سورۂ بقرہ میں ارشاد الٰہی ہے کہ:

وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً	اور اس نے آسمان سے پانی اتارا،
فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ	پھر اس سے تمہارے لیے کھانے کو
رِزْقًا لَّكُمْ ج	پھل نکالے۔

(البقرہ۔ ۲۲)

اِس آیت میں فَاَخْرَجَ آیا ہے اور اس کے ساتھ کھانے کے پھلوں کا ذکر ہے اور ظاہر ہے یہاں پر محض نباتات کے اگنے کی حالت مراد نہیں ہے، بلکہ اس میں پھلنے پھولنے اور پکنے تک کی تمام حالتیں مراد ہیں۔

۲۔ اسی طرح سورۂ فاطر آیت ۲۷ میں ارشاد ہوا کہ:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی آسمان سے
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَخْرَجْنَا	پانی اتارتا ہے، پھر اس کے ذریعے
بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا	سے پھل نکالتے ہیں جن کے رنگ مختلف
	ہوتے ہیں۔

یہاں بھی فَاَخْرَجْنَا (پھر ہم نکالتے ہیں) کے ساتھ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا (پھل مختلف رنگوں کے) آیا ہے۔

اور معلوم ہے کہ زمین سے مختلف رنگوں کے پھل ابتدا میں نہیں نکلتے، بلکہ یہاں بھی اگنے کے مرحلے

سے لے کر پھلنے پھولنے تک کے سارے مراحل شامل ہیں۔

۳۔ پھر سورۂ یٰسٓ آیت ۳۳ میں فرمایا گیا کہ:

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ — اور ان کے لیے خشک زمین بھی ایک نشانی
الْمَيْتَةُ ۖۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا — ہے، جسے ہم نے زندہ کیا اور اس سے اناج
مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ — نکالا جسے وہ کھاتے ہیں۔

یہاں بھی اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا (ہم نے اناج نکالا) اور ظاہر ہے کہ اُگنے کی ابتدائی حالت میں زمین سے اناج یا دانے نہیں اُگتے بلکہ پودے اور درخت اُگتے ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی اَخْرَجْنَا کے لفظ میں نباتات کے اُگنے سے لے کر پھلنے پھولنے تک کی تمام حالتیں یکجا مراد ہیں۔

۴۔ اس مفہوم کا چوتھا کمزور پہلو یہ ہے کہ اس کا مضمون قرآن مجید کی دوسری بہت سی آیات کے مفہوم سے میل نہیں کھاتا اور اس کی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔

خلاصۂ کلام خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سورۂ اعلیٰ کی زیر بحث آیات کا وہی مفہوم صحیح اور معتبر ہے جس کی تائید لغت سے ہوتی ہے، جس کی قرآنی نصوص اور نظائر سے موافقت موجود ہے اور جو اُمتِ مُسلمہ کے تمام جلیل القدر مفسرین کرام کی متفقہ تفسیر کے بالکل مطابق ہے۔ اور جیسے پہلے بیان کر دیا جا چکا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں۔

(ادارہ)

ہامان کا ذکر قرآن میں

(اِس سلسلے میں مستشرقین کے اعتراضات کی تردید)

جناب سید شیر محمد ۔ گلبرگ۔ لاہور

سید شیر محمد صاحب کا یہ مضمون پہلے بھی ترجمان القرآن (اکتوبر ۱۹۷۹ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ مگر مؤلف نے چونکہ اس میں مزید تحقیقی اضافہ بھی کیا ہے اور کچھ اصلاحات بھی، اور یہ وعدہ بھی پہلے سے تھا کہ اس مضمون کو مکمل شکل میں دوبارہ شائع کیا جائے گا، لہٰذا اب یہ پیش خدمت ہے۔ تفہیم القرآن میں ہامان کے متعلق جو نوٹس چھپے ہیں، اُن سے اس کا تعلق ہے۔ (ف ۔ ص)

ا ۔ ہامان نام کی دو شخصیتوں کے حوالے دو مقدس کتب میں ملتے ہیں۔ ان میں سے قدیم تر ہامان کا ذکر ہے جو قرآن پاک میں چھ مقامات پر آیا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

سورۃ القصص کی آیات:۔

ا ۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

بلاشبہ فرعون نے زمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور وہاں کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا، ان میں سے ایک جماعت (یعنی بنی اسرائیل) کا زور گھٹا دیا تھا، وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں یعنی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ واقعی وہ بڑا مفسد تھا۔

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ (القصص: ۴، ۵، ۶)

اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کا زمین (مصر) میں زور گھٹایا جا رہا تھا، ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنا دیں اور ان کو (ملک کا) مالک بنا دیں۔ اور ان کو زمین میں حکومت دیں، اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو، ان (بنی اسرائیل) کی طرف سے وہ واقعات دکھلائیں، جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔

ب- فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ۝ (القصص - ۸)

تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰؑ کو (مع صندوق کے) اٹھا لیا تاکہ وہ ان لوگوں کے لیے دشمن اور غم کا باعث بنے۔ بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر (اس سلسلے میں) بہت خطاکار ثابت ہوئے۔

ج- وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي ج فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ ۙ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ (القصص: ۳۸)

اور فرعون نے کہا، اے اہلِ دربار! مجھ کو تو اپنے سوا تمہارا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا۔ اے ہامان! تم میرے لیے مٹی کی اینٹیں بنوا کر آگ میں پکواؤ، پھر میرے لیے ان اینٹوں سے ایک بلند عمارت بنواؤ، تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور بلاشبہ میں اس (موسیٰ) کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔

سورۃ العنکبوت کی آیت:-

د- وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ

اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کیا اور ان کے پاس موسیٰؑ کھلی دلیلیں لے کر

بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝	آئے تھے، لیکن انہوں نے زمین میں سرکشی کی اور (ہمارے عذاب سے) بھاگ نہ سکے۔

(العنکبوت: ۳۹)

سورۃ المومن کی آیات:

ھ— وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝	اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا، تو انہوں نے کہا کہ یہ جادوگر اور جھوٹا ہے، پھر جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے دین حق لے کر آیا تو انہوں نے کہا کہ ان لوگوں کے جو اس پر ایمان لائے ہیں، بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو، اور ان کافروں کی (یہ) تدبیر بالکل ہی غلط ثابت ہوئی۔

(المومن: ۲۳، ۲۴، ۲۵)

و— وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۙ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝	اور کہا فرعون نے اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنواؤ، شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں۔ پھر وہاں موسیٰؑ کے خدا کو دیکھوں۔ اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔ اس طرح فرعون کو اپنے بُرے عمل خوبصورت معلوم ہوتے، اور وہ سیدھی راہ پر چلنے سے رُک گیا، اور فرعون کی ہر تدبیر کا نتیجہ تباہی کے سوا اور کچھ نہ نکلا۔

(المومن: ۳۶، ۳۷)

اِن چھ مقامات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس فرعونِ مصر کی طرف موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، مذکورہ ہامان، اس کے اعیان و ارکانِ سلطنت میں سے مقابلتاً زیادہ با اثر، مقتدر، صاحب جاہ و حشم اور معتمد تھا - نیز وہ بالخصوص مذہبی امور میں فرعون کا مصلاح کار تھا اور اینٹیں پکوا کر ایک فلک بوس عمارت بنوانے پر قادر تھا - اور فرعون کی طرح افواجِ قاہرہ کا سالار تھا - قرآنی حوالے سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ فرعونِ وقت کا وزیر یا وزیر اعظم تھا - جیسا کہ بلا جواز انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے متعلقہ آرٹیکل میں مرقوم ہے - یہ کتنی حیرت کا مقام ہے کہ مذکورہ آرٹیکل میں سورۃ المومن کی آیات مندرجہ بالا جزو "د" کے یہ معنی کیسے کر لیے گئے .... " اور ہامان اور قارون دونوں کو علم ہو گیا کہ حضرت موسیٰ عنقریب پیدا ہونے والے ہیں - اور انہوں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔" یہاں "فَقَالُوْا" اور "قَالُوْا" جمع کے صیغے ہیں تثنیہ کے نہیں اور ان کے فاعل فرعون، ہامان اور قارون تینوں ہیں۔

۲ — دوسرے ہامان کا ذکر اولڈ ٹیسٹامنٹ (OLD TESTAMENT) کی کتاب آستر میں موجود ہے - جس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہامان AHASEKRKS ہی ایرانی بادشاہ کا وزیر اعلیٰ تھا - جو ایرانی سلطنت کے تمام یہودیوں کی نسل کشی کے درپے تھا - لیکن آستر نامی یہودی حسینہ نے شاہ مذکور کو اپنے دامِ تزویر میں گرفتار کر لیا اور اس کی ملکہ بننے میں کامیاب ہو گئی - اس کی فسوں گری اور سازش کے نتیجہ میں یہ ہامان بمعہ اپنے لڑکوں کے اسی اونچی پھانسی پہ لٹکایا گیا جو اس نے یہودیوں کے لیے تیار کروائی تھی۔

۳ — مستشرقین کی ایک جماعت نے جن کا سرخیل قرآن کا لاطینی مترجم مرشی MARROCCI تھا، اول الذکر یعنی قرآنی ہامان کی تاریخی حیثیت پر ۱۶۹۸ء سے اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا - جس پر بعد میں قرآن کے انگریزی مترجمین جارج سیل GEORGE SALE، پامر PALMER، روڈویل ROD WELL اور ڈاکٹر وھیری DR. WHERRY کے علاوہ ایک یہودی مصنف ڈاکٹر ٹوری DR. TORREY، ایک عیسائی عالم پروفیسر لیمنز PROF. LAMMENS عربوں کے مشہور عیسائی مورخ پروفیسر ہٹی PROF. HITTIE، امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی کے فلسفہ کے پروفیسر ڈاکٹر کاف مین PROF. DR. KAUFMAMN، انسائیکلوپیڈیا برٹینکا

(گیارھویں اور چودھویں ایڈیشن) اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام نے اپنے اپنے اعتراضات کی بنیاد رکھی۔ ان اعتراضات کا ماحصل یہ ہے کہ دراصل ہامان اھویرس نامی شاہِ ایران کا وزیراعظم تھا جیسا کہ کتاب آستر میں مذکور ہے لیکن حضرت محمدؐ نے نعوذ باللہ شدید تاریخی غلطی کھا کر طویل بُعدِ زمانہ کے باوجود اسے فرعونِ موسیٰ کا وزیر بنا دیا اور بائیبل میں مذکور مینارِ بابل کے ذکر پر مبنی ایک غلط سلط کہانی بنالی جس کے مطابق جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو خدائے واحد و یکتا کا پیغام پہنچایا تو اس نے ہامان کو حکم دیا کہ وہ مٹی کی اینٹیں پکوا کر ایک فلک بوس عمارت تعمیر کروائے تاکہ اس پر چڑھ کر وہ آسمان پر جا کر دیکھے تو سہی کہ وہاں موسیٰؑ کا خدا ہے بھی! اگرچہ وہ اپنے دل ہی دل میں موسیٰ کو ایک جھوٹا جادوگر ہی خیال کرتا تھا۔

۳۔ مصر قدیم کے آثار کے ماہرین اور مشہور زمانہ مؤرخین کی بے لاگ تحقیقات سے حال ہی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ اوّل الذکر ہامان مسلّم الثبوت تاریخی حیثیت کا مالک تھا۔ FROF. SIR FLINDERS PETRIE نے اپنی کتاب RELIGIOUS LIFE IN ANCIENT EGYPT کے صفحات ۲۰، ۲۱ پہ لکھا ہے کہ آمن دیوتا کی پرستش لیبیا کے نخلستانی علاقہ سے شروع ہو کر مصر اور کارتھیج میں پھیلی۔ جہاں اس کا نام "آمن"، "ہیمن" یا "بعل ہامان" میں تبدیل ہو گیا۔ محقق مذکور نے اپنی ایک دوسری کتاب THE RELIGION OF ANCIENT EGYPT کے صفحہ نمبر ۳۰ پہ لکھا ہے کہ THEBES میں واقع اس دیوتا کے مندر کا ایک بڑا پجاری مینڈھے کی کھال کا لبادہ زیبِ تن کر کے اور سر پہ مینڈھے کی کھوپڑی پہن کر ہامان کا روپ اور نام اختیار کر لیتا تھا۔ گویا وہ اس بھیس میں خود آمن یا ہامان کہلاتا تھا۔ SIR WALLIS BUDGE کی کتاب EGYPTIAN RELIGION کے صفحات ۱۰۵، ۱۰۶ اور پروفیسر JAROSLAV CERNY کی کتاب ANCIENT EGPYTIAN RELIGION کے صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۱ کے مطالعہ سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ دوسرے دیوتاؤں کے پجاری اور پجارنیں خود ان دیوتاؤں کا روپ اختیار کر کے ان کا کردار ادا کرتے تھے۔ ریلیجن اینڈ ایتھکس کے انسائیکلوپیڈیا جلد دہم کے صفحات ۲۹۴، ۲۹۵ کے مطالعہ سے بھی اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے کہ مصری دیوی دیوتاؤں کے پجاری اور پجارنیں ان دیوی دیوتاؤں کا بھیس اختیار کر لیتے تھے اور ان کا کردار ادا کیا کرتے تھے۔ الغرض آمن یا ہامان دیوتا کا بڑا پجاری جو حضرت موسیٰؑ کا ہمعصر تھا وہی تو ہامان تھا جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے جو اس مضمون کے شروع میں نقل کیا جا چکا ہے۔

۵ الف۔ پروفیسر STEINDORFF نے اپنی کتاب RELIGION OF ANCIENT EGYPT کے صفحات ۹۶ تا ۹۷ پر لکھا ہے کہ ہامان جس کا تشخص ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، دیوتاؤں کی عمارات اور اہرام کی تعمیر و مرمت کا مہتمم تھا۔ دیوتا کی افواج کا سپہ سالار تھا۔ خزانہ کا منصرم تھا اور اناج کے ذخائر کا بھی وہی منتظم تھا۔ علاوہ بریں ملک کے تمام دیوتاؤں کے چھوٹے بڑے پروہت اسی کے زیرنگیں ہوتے تھے۔ اُس کی کثرتِ دولت و ثروت اور اثر و رسوخ کا مزید اندازہ لگانے کے لیے PROFESOR BREASTED کی کتاب A HISTORY OF EGYPT کے صفحات ۲۴۴ اور ۵۲۰ اور پروفیسر SIR FLINPERS PETRIE کی کتاب RELIGIOUS LIFE IN ANCIENT EGYPT کے صفحات ۵۴ تا ۵۵ ملاحظہ فرمائیں۔

۵ ب۔ فرعون کو جب حضرت موسیٰؑ نے خدائے واحد و یکتا پر ایمان لانے کی دعوت دی تو فرعون اور اس کے اعیان و ارکانِ سلطنت نے جن میں ہامان بھی شامل تھا۔ اور قارون بھی جو یہودی النسل تھا ازراہ استکبار ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ فرعون خود کو دیوتا سمجھتا تھا اور خدائی کا دعویدار تھا۔ علاوہ ازیں وہ کوئی دو ہزار کے لگ بھگ دوسرے دیوتاؤں کو بھی مانتا تھا۔ اُس نے حضرت موسیٰ کی دعوت کو اپنی اور دیگر دیوتاؤں کی خدائی کے خلاف بغاوت تصور کیا۔ PROF. BREASTED کی کتاب DEVELOPMENT OF RELIGION AND THOUGHT IN ANCIENT EGYPT کے صفحہ ۱۵۳ اور SIR FLINDERS PETRIE کی کتاب RELIGIOUS LIFE IN ANCLENT EGYPT کے صفحات ۸۴ اور ۲۰۸، ۲۰۹ پر مذکور ہے کہ "سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ کر دیوتاؤں سے ملنے" کا عقیدہ قدیم مصری مذہب کا ایک اہم جزو تھا، اس لیے فرعون نے ہامان کو جو دیوتاؤں کی عمارتیں تعمیر کرواتے پر بھی مامور تھا یہ حکم دیا کہ وہ اینٹیں پکوا کر ایک فلک بوس عمارت بنوائے تاکہ اس پر چڑھ کر وہ موسیٰ کے خدا کی ٹوہ تو لگائے گو دل ہی دل میں اُسے پہلے سے یقین تھا کہ موسیٰ جھوٹا جادوگر ہے۔ ہامان اور قارون اس ضمن میں فرعون کے ہم خیال اور ہم نوا تھے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بے شمار اسرائیلی غلام اینٹیں بنانے پر مامور تھے، جس کا ذکر PROF. FLINDERS PERTIE کی کتاب EGYPT AND ISRAEL کے صفحات ۳۱ تا ۳۴ پر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ محقق نے مصر میں کھدائی کے دوران متعلقہ زمانہ کی پکی ہوئی اینٹیں بھی دریافت کی تھیں۔ فرعون کا متذکرہ حکم اس وقت

کے مذہبی عقائد کے مطابق تھا اور اس سے تمسخر یا تعجب کا کوئی پہلو نہیں نکلتا جیسا کہ ہمارے چند مفسرین نے بیان کیا ہے کہ فرعون کا ایسا کہنا تمسخر یا تعجب کو ظاہر کرتا ہے۔

۶۔ اب یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے معترضین کے اعتراضات کے اصل ماخذ یعنی کتاب آستر اور اس میں مذکور ہامان کی تاریخی حیثیت کا جائزہ لیں۔ جسے بطور کسوٹی اختیار کر کے انہوں نے اعتراضات کا طومار کھڑا کر دیا ہے۔ ہم قارئین کی توجہ JEWISH ENCYCLOPAEDIA جیوئش انسائیکلوپیڈیا کی جلد ۸ کے صفحات ۲۳۵ تا ۲۳۶ UNIVERSAL JEWISH ENCYCLOPAEDIA یونیورسل جیوئش انسائیکلوپیڈیا کی جلد نمبر ۴ کے صفحہ نمبر ۱۷۰ INTERPRRETERS ONE VOLUME COMMENTARY ON THE BIBLE مفسرین کی یک جلدی تفسیر بائیبل صفحہ نمبر ۳۹۳ اور ENCYCLOPAEDIA BIBLICA انسائیکلوپیڈیا ببلیکا کی جلد نمبر ۲ کے کالم ۱۴۰۰ تا ۱۴۰۷ پر مرقوم مؤقر آرا کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ہم اس حتمی فیصلہ پر پہنچتے ہیں کہ کتاب آستر کی قطعاً کوئی تاریخی حیثیت نہیں۔ اکثر علمائے یہود و نصاریٰ اسے ایک عشقیہ رومان سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ نیز اس کے کردار مع ہامان فرضی ہیں۔ ڈکشنری آف دی بائیبل مؤلفہ JAMES HASTINGS جیمز ہیسٹنگز کے صفحہ ۲۴۰ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب آستر کے مصنف نے بابلی اور ایلمی دیوی دیوتاؤں یعنی ہمان، مردک اور اشتر کے ناموں کو بگاڑ کر اپنے اہم کرداروں کے نام ہامان، مردکی اور آستر رکھ دیئے ہیں۔ نیز یہ امر بھی طالب توجہ ہے کہ پہلی دو صدی عیسوی تک علمائے یہود میں یہ مسئلہ باعث نزاع رہا کہ کتاب آستر کو اولڈ ٹیسٹامنٹ OLD TESTAMENT میں شامل بھی کیا جائے یا نہ، بالآخر اسے بہ شامل کرنے کا فیصلہ محض اس وجہ سے کیا گیا کہ آستر کے افسانہ پر یہودیوں کے مقبول عام تہوار یوم PURIM کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اور عوام کی رائے یہی تھی کہ اسے ان کی نام نہاد الہامی اور آسمانی کتاب اولڈ ٹیسٹامنٹ کا حصہ بنا یا جائے۔ چنانچہ ایسا ہو کر رہا۔ اس پر طرہ یہ کہ چونکہ کتاب آستر کے اصلی مصنف نے اس میں نہ تو خدا کا ذکر کیا تھا اور نہ ہی کسی مذہبی عبادت کا، اس لیے ایک بعد کے مصنف نے اس میں چند باب بڑھا دیئے اور اس طرح یہ کتاب تحریف سے بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ مارٹن لوتھر نے تو بصد حسرت و یاس یہ تک کہہ دیا کہ کاش کتاب آستر بائیبل میں شامل ہی نہ ہوتی۔

الغرض کتاب آستر کے ہامان کی کوئی تاریخی حیثیت ہی نہیں، لیکن پھر بھی چند مستشرقین نے اس کو

معیار بنا کر قرآنِ پاک میں مذکور ہامان کی مسلّم تاریخیت کو ہدفِ تعریض و تنقیص بنایا ہے۔ ایک فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

قصّہ کوتاہ آج سے چودہ سو سال پہلے ہامان کا جو ذکر وحی کے ذریعے نبی اُمّی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جو من و عن اپنی اصلی عبارت کے ساتھ محفوظ ہے، آج کل کے لیے لاگ مغربی محققین کی انتھک تحقیقات نے اسے بالکل صحیح پایا ہے۔ اس کے ناقابلِ تردید تاریخی شواہد کی بنا پر جو ہم نے اُوپر بیان کیے ہیں۔ ہم پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ مذکورہ ہامان کا جو ذکر قرآن پاک میں درج ہے اس سے یہود و نصاریٰ کے صحیفے یکسر خالی ہیں، البتہ ان صحیفوں میں جس ہامان کا قصّہ ملتا ہے وہ ایک عشقیہ افسانے کا ایک فرضی کردار ہے۔ اور ہر ذی شعور اور با عقل انسان اس نتیجے پر پہنچے گا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہود و نصاریٰ کے کسی عالم، کسی کاہن، کسی ربی کو ہامان کے متعلق ان باتوں کا قطعاً کوئی علم نہیں تھا جو قرآن میں مذکور ہیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ اگرچہ عہدِ حاضر تک یہود و نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے آئے ہیں کہ اولڈ ٹیسٹامنٹ کی کتاب خروج ان چند کتب میں سے ہے جو موسیٰ کی تصانیف ہیں اور حضرت موسیٰؑ خروج کے قائد تھے لیکن اس میں ہامان کا ذکر بالکل مفقود ہے۔ نہ ہی اس میں متعلقہ فرعون کے ضروری حالات مثلاً نام اور عہد بیان کیے گئے ہیں۔ لہٰذا مستشرقین کے اس قسم کے الزامات بالکل بے بنیاد اور بے معنی ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کے کسی عالم سے یا کسی غیر عرب اتالیق سے ان کی آسمانی کتابوں کے قصص سن سنا کر قرآن میں درج کر دیے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر یہودی یا نصرانی علما، کو تو چھوڑیے۔ مغرب کے تو آج کل کے بڑے بڑے علما جن میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام یا انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مشہور زمانہ ایڈیٹر اور عربوں کا مشہور عیسائی مؤرخ تک شامل ہیں۔ وہ بھی تو ہامان کے اصلی حالات سے جو قرآن میں چودہ سو سال پہلے سے موجود ہیں، بے خبر تھے، ورنہ وہ اعتراض ہی کیوں کرتے۔ اگر فقط ہامان کے ان حالات پر ہی غور و خوض اور تدبر کیا جائے تو لامحالہ ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قرآن بلا شک و شبہ ایک الہامی کتاب اور ابدی معجزہ ہے جو نبی اُمّی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خدائے علیم و خبیر نے نازل فرمائی۔ اس میں ذرہ برابر جھوٹ کی

گنجائش نہیں۔ سورۂ حٰم سجدہ کی آیات ۴۱، ۴۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝

اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے، اس پہ جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے، نہ پیچھے سے۔ اور دانا اور خوبیوں والے (خدا) کی اُتاری ہوئی ہے۔

اِس ضمن میں ایک اہم بات جو ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ وحی الٰہی کا مقصودِ اولیٰ تاریخ آموزی نہیں، بلکہ ان قصص کے بیان کا اصل مدّعا انسان کو بے شمار جھوٹے خداؤں کی غلامی سے آزاد کر کے فقط ایک واحد و یکتا خدا کی بندگی کی طرف رہنمائی کرنا ہے اور تذکیر و موعظت سے انسان کو حقیقی فلاح و بہبود کا راستہ دکھانا ہے۔

استدراک

حال ہی میں چند مفسرینِ قرآن نے ہامان کی تاریخی حیثیت کے متعلق کچھ ظن و تخمین سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ شیبب THEBES کے آمن دیوتا کا بڑا پجاری تھا۔ قارئین کرام کی دلچسپی کے لیے ہم ان کے تفسیری نوٹوں کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں:

۱۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم نے تفسیر ماجدی جلد پنجم کے صفحہ ۸۰، پر تفسیری نوٹ نمبر ۴ میں تحریر فرمایا ہے: جس طرح ہامان کا عطف فرعون کے ساتھ یہاں اور آگے چل کر بھی آیا ہے اس سے تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ جس طرح فرعون شخصی نام نہیں بلکہ شاہی لقب تھا۔ اسی طرح ہامان بھی کوئی سرکاری لقب ہی تھا۔ تاریخ سے اتنا تو بہر حال ثابت ہے کہ مصر کے ایک بہت بڑے دیوتا کا نام آمن AMON تھا۔ اس کے بڑے پجاری کے اختیارات بادشاہ سے بس کچھ ہی کم ہوتے تھے۔ عجب کیا کہ اس بڑے پجاری کا سرکاری لقب عربی تلفظ میں ہامان ہی ہو۔ اسی قیاس کا اظہار مولانا نے اپنی کتاب اعلام القرآن میں فرمایا ہے۔ البتہ انہوں نے اپنی انگریزی تفسیر میں سورہ القصص کے نیچے نوٹ نمبر ۱۰۰ اور ۲۱۰ میں یہ تاثر دیا ہے کہ آمن دیوتا کے بڑے پجاری کا لقب ہی ہامان تھا۔ لیکن رالنسن RAWLINSON کی کتاب مصر قدیم ANCIENT EGYPT کے صفحہ ۲۸۹ کے مطالعہ سے جس کا حوالہ دیا گیا ہے، یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ مولانا مرحوم کی تحقیق کا نتیجہ سید نواب علی کی تحقیق سے کچھ مختلف نہیں، جو

انہوں نے تاریخ صحف سماوی میں رقم کی ہے۔

ب — سورہ القصص کے تحت تفسیری نوٹ نمبر ۲۸۸۱ میں جو مرزا بشیر الدین محمود احمد کی زیر نگرانی ربوہ سے ۱۹۶۰ء میں شائع شدہ انگریزی تفسیر میں درج ہے۔ ایسا ہی دعویٰ کیا گیا ہے اور اس دعوے کی بنیاد انہوں نے جیمز ہنری بریسٹڈ پی ایچ ڈی کی کتاب "مصر کی سرگذشت" A STORY OF EGYPT BY JAMES HENRY BREASTED PH D پر رکھی ہے۔ ہماری تحقیقات کے مطابق پروفیسر موصوف نے اس نام کی کوئی کتاب نہیں لکھی ہے اور اس ضمن میں ہم نے امریکن سنٹر لاہور کی وساطت سے شکاگو یونیورسٹی اور واشنگٹن میں واقع کانگریس کی لائبریری LIBRARY OF THE CONGRESS WASHINGTON DC سے اپنی معلومات کی تصدیق کرائی ہے نیز احمدی خلیفہ سوئم کو جن کی زیر ہدایت ۱۹۶۹ء میں شائع شدہ انگریزی تفسیر میں بھی مندرجہ بالا نوٹ دہرایا گیا ہے، اپنی معلومات کے نتیجے سے آگاہ کر دیا تھا۔ انہوں نے تادمِ آخر ہماری تحقیقات کے نتیجے پر روشنی نہیں ڈالی۔ مذکورہ نوٹ کئی دوسری وجوہ سے بھی محلِ نظر ہے جو ہمارے موضوع کے احاطے سے باہر ہیں۔

آخر میں میں پُر زور طریقے سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قدیم ایرانی تاریخ میں نہ تو احسویرس (یا اخسیورس) AHASUERUS کسی ایرانی بادشاہ کا نام نکلتا ہے اور نہ ہامان نامی کسی وزیر کا۔

(نوٹ: کتابیاتِ حوالہ جات کی فہرست حذف کر دی گئی ہے۔ ادارہ)

رسائل ومسائل

ختمِ قرآن اور کھانا

سوال: ۔ ہمارے ہاں یہ دستور ہے کہ لوگ ختمِ قرآنِ پاک کے لیے گھروں پر بلائے جاتے ہیں یا کسی خیرات کے موقع پر ختمِ قرآنِ پاک کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ختم کے بعد چائے دی جاتی ہے یا کھانا دیا جاتا ہے۔ کچھ دنوں پہلے ہمارے ایک دوست نے ایک مسئلہ اُٹھایا ہے اور وہ یہ کہ ختمِ قرآن کے بعد کسی قسم کی اکل و شرب گناہ ہے۔ اپنی بات کی تائید میں اس نے مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث پیش کی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ "جو لوگ قرآن پر معاوضہ لیتے ہیں قیامت کے روز ان کے چہروں کی ہڈیاں گوشت سے خالی ہوں گی"۔ دو مقامی علما حضرات سے مسئلہ کے بارے میں پوچھا کہ آیا ہم کسی کے گھر ختمِ قرآن کے بعد کھا پی سکتے ہیں۔ ایک نے اثبات میں جواب دیا دوسرے نے نفی میں۔ میں عجیب اُلجھن میں مبتلا ہوں۔ کسی دوست کے گھر ختمِ قرآن کے لیے جاتا ہوں اگر بغیر کھانا کھائے آجاتا ہوں تو وہ خفا ہوتا ہے اور اگر کھانا کھاتا ہوں تو یہ فکر ہوتی ہے کہ واقعی یہ کھانا باعثِ گناہ نہ ہو۔ ایک صاحب نے یہ صورت نکال دی ہے کہ ایسے موقعوں پر پروگرام میں شرکت کر کے بغیر قرآن پڑھے ہوئے کھا سکتے ہیں۔ یا آپ کے ذمہ قرآنِ پاک کے جو پارے پڑھنے ہوں ان کو کسی اور سے پڑھوا کر آپ کھا پی سکتے ہیں۔

مہربانی کر کے قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے تعامل کی روشنی میں مسئلہ کا حل بتا دیجیے اور دوٹوک الفاظ میں بتا دیجیے کہ ختمِ قرآن کے بعد کھانا چاہیے

یا نہیں ؟

جواب :- اُجرت پر قرآن پڑھنے سے پڑھنے والوں کو ثواب نہیں ملتا، جب اُسے ثواب نہیں ملتا تو وہ میت کو ثواب کیسے پہنچا دے گا - فقہاء نے ایصال ثواب کے لیے ضروری یہ قرار دیا ہے کہ پڑھنے والا کسی معاوضے کے بغیر قرآنِ پاک پڑھے اور اس کا ثواب میت کو پہنچائے - اگر آپ بلا معاوضہ قرآنِ پاک پڑھیں اور میت کے ورثا آپ کو کھانا کھلا دیں تو کھانا کھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے - جو لوگ رواجی ختم کراتے ہیں اور قرآن پڑھنے والوں کو کھانا کھلاتے ہیں وہ کھانا حرام نہیں ہے اور نہ اس کو کھا لینا حرام ہے - البتہ معروف یہی ہے کہ اس کے بغیر لوگ ختم پڑھنے کے لیے جمع نہیں ہوتے تو اب اس کی حیثیت معاوضہ کی ہو گئی اور اس کا فائدہ کچھ نہیں ہوگا - نہ یہ کہ اس سے کھانا حرام ہو جائے گا - یعنی ایصالِ ثواب کا جو مقصد ہے وہ اس سے پورا نہیں ہوتا - اس کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ورثاء میت کے ایصالِ ثواب کے لیے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلا دیا کریں اور ان سے قرآنِ پاک نہ پڑھائیں، بلکہ خود قرآنِ پاک پڑھ کر ثواب پہنچائیں یا میت کے دیگر احباب سے کہہ دیں کہ وہ اپنی اپنی جگہ قرآنِ پاک پڑھ کر ثواب پہنچا دیا کریں - (ع - م)

مطبوعات

تعلیم القرآن پارہ دوم — مرتبہ: صابر قریشی صاحب۔ ترجمۂ لفظی از مرتب۔ ترجمہ بامحاورہ: از مولانا فتح محمد جالندھری۔ بڑے سائز کے ۱۲۲ صفحات۔ دبیز خوشنما ٹائیٹل۔ قیمت عام سفید کاغذ ۱۳/- روپے۔ آفسٹ پیپر ۱۸/- روپے۔

ناشر: حسنات اکیڈمی، پرائیویٹ لمیٹڈ۔ ۱۹ سی منصورہ ملتان روڈ، لاہور۔

تعلیم قرآن کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ "قرآن کو قرآن کی زبان میں سمجھنے کا آسان طریقہ"۔ کتاب کھولتے ہی آپ کے سامنے پارہ دوم کی آیات کے مضامین کی ترتیب وار فہرست آجاتی ہے۔ پھر اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ سب سے اوپر کی سطر میں قرآن شریف کا عربی متن، پھر متن کے تمام عربی الفاظ الگ الگ خانوں میں درج۔ پھر لفظ لفظ کے نیچے اردو میں لفظی ترجمہ۔ پھر مولانا فتح محمد جالندھری کا رواں ترجمہ۔ نیچے حاشیے میں استعمال شدہ اسماء، افعال اور حروف کے معانی قواعد اور صیغوں کی روشنی میں۔ دائیں اور بائیں جانب ضروری حواشی یا نوٹس برائے وضاحت۔

پارہ کا ترجمہ ختم ہونے کے بعد صفحہ ۸۸ سے پارہ کے مضامین کا خلاصہ رکوع بہ رکوع اور آیت بہ آیت۔

ص ۱۰۵ سے پارہ کے الفاظ کا مختصر اور آسان لغت۔

پہلے ہم پارہ اول کی اشاعت کے موقع پر بھی مفصل تبصرہ کر چکے ہیں۔

میری زندگی کے ۵ سال آپ بیتی از جناب اعجاز الحق قدوسی مرحوم۔ ناشر: مکتبۂ اسلوب پوسٹ بکس ۲۱۱۹۔ کراچی ۱۸۔ کاغذ بہت اچھا نہیں، کتابت و طباعت متوسط۔ صفحات: ۲۸۸، مجلد مع رنگین گرد پوش۔ قیمت: -/۶۰ روپے۔

سفر ناموں، خطوط کے مجموعوں، شخصیتوں کے خاکوں اور کرداروں کی طرح "آپ بیتی" بھی بہت دلچسپ صنف ہے۔ اس کے متعلق مجھے جو کچھ کہنا تھا، ڈاکٹر جمیل جالبی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

"ہر باشعور انسان کی زندگی، اس کی جدوجہد، کشمکش، عمل و ردِ عمل کی لہریں، روایت و انحراف کے دائرے، عملِ تغیر کی نئی نئی صورتیں ایسا مواد فراہم کرتی ہیں کہ ان سب کا بیان ناول کی طرح دلچسپ بن جاتا ہے .... انسان کے باطن میں چھپی ہوئی روح جلوہ فگن ہوتی ہے اور دل کی آواز میں رس گھولنے لگتی ہے۔"

"مولانا کے لکھنے کا اپنا انداز ہے جس میں ادبی شائستگی، حضرت انسان کی نرم مزاجی، ہماری روایتی شعر پرستی، اور بات کو میٹھے سلونے لہجے میں کہنے کے تخلیقی عمل نے ایسا رس گھول دیا ہے کہ اُن کی عبارت دل موہ لیتی ہے۔"

"اس خود نوشت میں ہماری ملاقات ایسے بہت سے انسانوں سے بھی ہوئی ہے جنھوں نے انسانی رشتوں کو تقدس عطا کیا ہے، جنھوں نے گرتوں کو سہارا دیا ہے، جنھوں نے علم و فضل سے معاشرے کو روشنی عطا کی ہے، جنھوں نے بے لوثی و ایثار کا چراغ روشن کر کے انسانیت کو زندہ رکھا ہے، جنھوں نے اس صدی کے بڑے حصے کی نمائندگی کی ہے اور جو اَب تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں۔"

مولانا اعجاز الحق قدوسی کی پیدائش ۱۹۰۵ء میں جالندھر کے محلہ پنج پیراں میں ہوئی۔ والد کا اسمِ گرامی شاہ ظہور الحق تھا۔ سلسلۂ نسب تیرھویں پشت میں دسویں صدی کے مشہور عالم و درویش شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ سے جا ملتا ہے۔ آبائی وطن بھی قصبۂ گنگوہ ضلع سہارنپور ہی تھا۔

اعجاز الحق قدوسی صاحب کی داستان اپنے اندر بڑے اہم اسباق لیے ہوئے ہے، ان کا دورِ ابتلا جس کٹھنائی میں گزرا، وہ کسی بھی کم ہمت آدمی کے لیے قدم قدم پر دل توڑ دینے کے سامان رکھتی تھی۔ مگر اعجاز الحق صاحب کانٹوں اور پتھروں پہ پاؤں رکھتے ہوئے بڑھتے ہی چلے گئے اور

آخر کار ایک مقامِ ارفع تک پہنچے۔ اچھی توقعات کے ساتھ حیدر آباد جا کر بھی انہوں نے ایک بڑا مرحلۂ آزمائش گذارا، پھر کہیں جا کر کشائش پیدا ہوئی۔ لیکن ابھی جادہ جدوجہد کو طے نہ کر پائے تھے کہ سقوطِ حیدر آباد کا سانحہ پیش آ گیا۔ اور ایک نیا سفر پاکستان میں آ کر مزید مشکل حالات میں شروع کرنا پڑا۔ خدا خدا کر کے حالات سازگار ہوئے تو اس سال کے عرصے میں "صوفیائے پنجاب" "صوفیائے بنگال"، "صوفیائے سندھ"، "شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور علامہ اقبال کے محبوب صوفیہ نے "تزکِ جہانگیری" کا اردو ترجمہ "سیر الاولیا" کا اردو ترجمہ" تین جلدوں میں "تاریخِ سندھ" کے ناموں سے کتابیں لکھیں۔ نیز متفرق مضامین بھی تحریر کیے۔

یہ کتاب اردو ادب میں بہت اچھا اضافہ ہے۔

قرآنِ حکیم کے اردو تراجم | تالیف، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم، شرف الدین۔ ناشر: قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ روڈ۔ کراچی ما۔ ٹائپ میں طباعت۔

اِس کتاب کو پا کر نہ صرف موضوع کے اعتبار سے مسرت ہوئی بلکہ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین (ایم۔ اے عربی، ایم۔ اے فارسی، پی ایچ ڈی) نے مختلف نقطہ ہائے نظر کے تراجم و تفاسیر پر بحث کرتے ہوئے قابلیت کے ساتھ جس غیر جانب داری سے کام لیا ہے اس کی وجہ سے جذبۂ تحسین میں اور بھی افزونی ہوئی۔ ڈاکٹر صاحبہ کو مبارک باد کہتا ہوں۔

ابتدائی تین ابواب تمہیدی ہیں جن میں قرآن کی منزلت اور اس کے اعجاز وغیرہ پر گفتگو ہے۔ باب چہارم میں قرآن کے اردو ترجموں کا جائزہ ہے۔ اٹھارھویں صدی اور ماقبل کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ ترجموں سے بات چلی ہے۔ پھر اگلے باب میں انیسویں صدی کے مکمل و نامکمل ترجمے، پھر بیسویں صدی کے ترجمے، پھر قرآن کے منظوم ترجمے ذکر کیے گئے ہیں۔ بعد ازاں اٹھارھویں، انیسویں اور بیسویں صدی کے تراجم اور تفسیری تراجم پر تفصیلی گفتگو ہے۔ اسی طرح پھر بیسویں صدی کے تراجم کو لیا گیا ہے۔ اِس سلسلے میں بطورِ خاص میں نے تفہیم القرآن کے متعلق بحث دیکھی۔ بہت اچھی ہے۔ جملہ تراجم و تفاسیر کے امتیازی خدوخال بیان کیے گئے ہیں۔

آخری حصے میں ممتاز و معروف مترجمین کے حالات کے خاکے اور کچھ خدمات کے تذکرے درج ہیں۔
محترمہ ڈاکٹر صالحہ کی اس خوبی کا بطورِ خاص میں ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ اندازِ تحریر کا ادبی انداز بہت دلکش ہے۔ بیچ بیچ میں خاص خاص اشعار بھی استعمال کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحبہ (جو کویت میں مقیم ہیں)، نے قرآن کی خدمت کی جو راہ کھولی ہے۔ اس پر امید ہے کہ آئندہ اور بھی کارنامے سامنے آئیں گے۔ کیا مبارک ہیں وہ خواتین جو ایسے دینی و علمی کام کرتی ہیں۔ اور یہ ایسے کام ہیں کہ پردے میں رہ کر اپنے گھروں میں بھی سرانجام دیے جا سکتے ہیں۔

خدایا ایں کرم بارِ دگر کن | از جناب حافظ عبدالرزاق ایم۔ اے۔ الحسنات منزل، چکوال۔

ناشر: ادارۂ نقشبندیہ اویسیہ چکوال۔ سول ایجنٹ: مدنی کتب خانہ، گنپت روڈ، لاہور۔ صفحات ۱۳۶

قیمت: ۵۰/- روپے۔

چکوال پہلے ہمارے آبائی گاؤں کی تحصیل تھی، اب ضلع ہے۔ واقعی ترقی ہو رہی ہے۔ اس دور افتادہ علاقہ میں جو ابتدائی دورِ عمر گذرا۔ اس میں چند ہی دوست ملے جن میں سے حافظ عبدالرزاق بہ سلسلۂ خاندانِ قاضیاں بھی، مگر زیادہ تر اپنے وسیع تر تصورِ دین کے رشتے سے خاص دوستی کے مقام تک پہنچے۔ پھر آہستہ آہستہ ہمارا سفر ہمیں کہیں سے کہیں لے گیا۔ اور انہوں نے دو چار قدم ساتھ چل کر معلوم نہیں کتنی منزلیں مار لیں۔ اب ہماری ایک غائبانہ دوستی چلتی ہے جسے رایوں کے اختلافات ختم نہیں کر سکتے۔

یہ تمہید میں نے اس خوشی میں لکھ دی کہ حافظ صاحب کی یہ نگارش مجھے بہت پسند آئی۔ روئیداد ایک مقدس سفر کی، اس میں ایک ادبی لطافت اور روحانی پُراسراریت بھی۔ حرمین کے چپے چپے کے واردات و احوال، ہر بات بہت سچائی سے بیان کردہ اور گہرے جذبے کی آئینہ دار۔ ہر اقدام اور ہر "واردات" پہ کہیں آیات کے نگینے اور کہیں اشعار کے آبگینے۔ زیارتِ روضۂ حضور کا تجربہ بلکہ تجربے ہیں نے دیکھا کہ کہیں غیر محتاط اندازِ گفتگو نہیں، اور کہیں تجاوز عن الحدود نہیں ہے۔

افسوس کہ کتابوں کی بھرمار ایسی رہی کہ موقع مشکل سے ملا۔

معجزاتِ سرورِ عالم | عربی تالیف : از جناب ولید الاعظمی - مترجم : برادرم حافظ محمد ادریس صاحب - ناشر : حرا پبلی کیشنز ، اردو بازار - لاہور - صفحات ۲۳۹ - قیمت : ۳۷/۵۰ روپے

کتاب بتاتی ہے کہ مؤلف کا درجہ مطالعہ و نگارش کے لحاظ سے کتنا بلند ہے - اور مترجم سونے پر سہاگہ - پھر یہ کہ ناشر بھی احوالِ رسالت کے بارے میں اچھی کتابیں پیش کرنے کے لحاظ سے قابلِ قدر - رسولِ مکرم و معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور کے چھوٹے چھوٹے مگر بہت اہم واقعات جن کی تعداد قریباً ۲۴۱ ہے - نہایت تحقیق اور حسنِ بیان سے یکجا کیے گئے ہیں - اور انداز ایسا ہے کہ یہ سبق آموز ہیں - اور دل و دماغ پر اثر انداز ہونے والے ہیں - ہر واقعہ کے ساتھ سند و ماخذ کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے -

طلبہ و طالبات ، خواتین ، گھروں ، صحافیوں اور خطیبوں کے لیے یہ کتاب بڑی اہم ہے -

---

ماہنامہ نعت | ایڈیٹر : جناب رشید محمود ضیاء الحق قریشی ایم اے - دفتر رابطہ : ۱۸ - راحت مارکیٹ ، اردو بازار ، لاہور - مقامِ اشاعت : اطہر منزل ، مسیا اسٹریٹ ، نیو شاد مان کالونی ، ملتان روڈ ، لاہور - قیمت فی شمارہ ۱۰/- روپے - سالانہ : ۱۲۰/- روپے -

اکتوبر کا شمارہ " میلاد النبی نمبر " کا اوّل حصّہ ہے - راجا رشید محمود کا ذوقِ نعت اور اسلوب دونوں معروفِ عام ہیں - خوب ہوا کہ اُنہوں نے نعت کے عنوان سے باقاعدہ رسالہ کا اجرا کر دیا - میلاد ، تاریخِ ولادتِ حضور ، اور ایسے بھی مباحث پر مضامین بھی ہیں اور ظہورِ قدسی کے متعلق شعر و کلام بھی - ۱۴۳ نعتیں بھی شریکِ اشاعت ہیں -

---

نسخاتِ صحت | مؤلف : جناب حکیم سید غلام رسول شاہ صاحب گیلانی مرحوم - ترتیب و تدوین و نظرِ ثانی از جناب سید اسعد گیلانی خلف الرشید حکیم صاحب مرحوم ، بہ اہتمام اسلامی اکادمی منصورہ ملتان روڈ ، لاہور - ذریعہ اشاعت : الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب ، غزنی اسٹریٹ ، اردو بازار لاہور ۳۲۲ صفحات ، سفید کاغذ ، طباعت مناسب ، مجلد مع گرد پوش ، قیمت ۴۸/- روپے

میں نے اس کتاب کو پڑھا اور اس سے متاثر ہوا - یہ عام طبی کتب کی طرح نہیں ہے ، بلکہ اس میں

طبی حقائق کو ایمانی و روحانی کند ھاوٹ کے ساتھ پیش کر کے عجیب دلکشی پیدا کر دی گئی ہے۔ اس کتاب کے آئینے میں یہ حقائق ماضیہ بھی جھلکتے ہیں کہ ہمارے اطبا (یا اس وقت کے ڈاکٹر) محض طب ہی سے سروکار نہ رکھتے تھے بلکہ وہ اولیت علمِ دین کو دیتے تھے اور ثانی حیثیت سے علمِ طب پر عبور حاصل کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ صرف جسمانی بیماریوں کا علاج نہیں کرتے تھے، بلکہ سارا کام ایسے جذبۂ خدمتِ خلق (برائے حصولِ رضائے الٰہی) کرتے تھے کہ ان کے ایمانی رویے اور اخلاقی طرزِ معاملہ کے اثر سے لوگوں کی روحانی بیماریوں کا علاج بھی ہوتا رہتا تھا۔ مزید برآں حکیم موصوف نے تعلیمِ اطفال کے لیے ایک مدرسہ بھی بطورِ خود قائم کیا اور اُسے لوئر مڈل تک پہنچایا۔ جو اب ایک دیہی علاقے میں ہائی اسکول کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

حکیم سید غلام رسول مرحوم پکّے موحد تھے، بزرگانِ دین سے محبت رکھتے تھے۔ انتہائی سستے طریقِ علاج سے کام لیتے، بالعموم معروفِ عام مفردات مریضوں کو بتاتے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ساری عمر میں کسی سے کبھی فیس طلب نہیں کی۔ ایک مایوس العلاج مریضہ شفایاب ہو گئیں تو اس کے خاوند نے کچھ نقود پیش کیے۔ حکیم صاحب نے لینے سے انکار کیا۔ اُدھر سے ضد بڑھی تو حکیم صاحب نے غصّے میں آکر کہا کہ "دفع کرو، انہیں مجھ سے دور رکھو۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں" کسی مسکین کو دے دو۔ فرماتے کہ طبیب کو مطب کھول کر دوا فروش نہیں بن جانا چاہیے۔ فرماتے کہ "اندر کے انسان کو سنوارو۔ ظاہر (ڈھانچہ) تو کیڑوں کا مال ہے"۔

ایک باب میں ہر قسم کی ترقی کے آٹھ اصول بیان کیے ہیں۔ ایک حصّے میں طب سے متعلق ۷ امورِ طبیعیہ بیان فرمائے۔ پھر دو تین ابواب میں تشخیص و علاجِ امراض پر گفتگو ہے، تپوں (بخاروں) کے متعلق بہت وضاحت کی ہے۔ پھر تشخیص مرض کے ۶ بنیادی چارٹ بتاتے ہیں۔ آخر میں معمولاتِ طب کے زیرِ عنوان اپنے زیرِ استعمال نسخے درج فرما دیئے ہیں۔

حکیم سید غلام رسول شاہ مرحوم نے یک صد سال کی عمر پائی، ۶۷ برس کے طبی مطالعہ، تجربہ اور مشاہدہ کا خلاصہ پیش کر دیا۔ (طبی پریکٹس ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۰ء)

خدا حکیم صاحب اور مرتب کتاب کو جزائے خیر دے۔

فلسفۂ حرمتِ شراب | مؤلف: جناب سید تصدق بخاری - ملنے کا پتہ: ادارۂ اسلامیات، انار کلی، لاہور - رنگین سرورق کے ساتھ ۶۳ صفحات - قیمت: ۶/- روپے

شراب کی حرمت کے دلائل و وجوہ شرعاً بھی بیان کیے گئے ہیں اور عقلاً بھی - اسلاف کے اہم اقوال بھی ہیں - اور جدید کی مثالیں بھی - دیگر منشیات کے عدم جواز کو بھی واضح کیا ہے - ص ۵۰ پر حرمتِ شراب کی سات قرآنی دلیلیں بیان ہوئی ہیں - پھر احادیث لائی گئی ہیں -

---

کتابت اور تدوینِ حدیث | تالیف: مولانا عبدالقیوم حقانی - افتتاحیہ مولانا سمیع الحق - ناشر: مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ - اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور - قیمت ۷/- روپے

ایک معروف دینی ادارے سے ایک ممتاز عالمِ دین سے احادیث کی کتابت اور تدوین کے متعلق ۸۴ صفحے کا یہ بہت اچھا پمفلٹ ہے -

مستشرقین سے حاصل کر کے ہمارے ہاں کے شریعت گریز مخالفینِ سنّت نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ کتابت و تدوینِ احادیث تو بعد کی بات ہے، بلکہ یہ حدیثیں تو بعد کی دو صدیوں میں گھڑی گئی ہیں - مولانا عبدالقیوم نے اسی کا مدلّل جواب دیا ہے -

---

کفیلِ محمدؐ | از جناب غلام نبی مسلم بی اے - ناشر: ادارہ علم القرآن - ۱۰ - عینک محل، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور - قیمت: نامعلوم -

یہ مختصر کتاب بڑی دلچسپ ہے - اس کے مؤلف کے قلم سے پچھلی تاریخ کے دھارے کو موڑ کر دکھایا دکھایا ہے - دیگر متفرق مسائل کو جانے دیں - اصل مسئلہ یہ ہدفِ نظر ہے کہ جناب ابوطالب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل نہ تھے بلکہ آپ کے بڑے چچا (تایا) زبیر تھے - مزید یہ کہ حضورؐ خود ابوطالب اور ان کی اولاد کے کفیل رہے ہیں - خاص اہمیت ڈاکٹر محمد اسلم (فاضل تاریخ) کے پیش لفظ کو حاصل ہے - ان کا فرمان ہے کہ خیر القرون کی تاریخ کے تینتیس میں سے اکتیس مؤرخ یا تو مجوسی النسل عجمی ہیں یا وہ سبائی پروپیگنڈا سے متاثر نظر آتے ہیں -

بہر حال ایسے مباحث پر غور و تحقیق کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے -

شہید صدر جنرل محمد ضیاء الحق | از راجہ محمد شریف صاحب۔ ملنے کا پتہ: زاہد اکیڈیمی، راشد گرلز کالونی، جوہر آباد، سرگودھا۔ دبیز نفیس کاغذ کے ۱۱۲ صفحوں میں مؤلف نے شہید ضیاء الحق کو منظوم خراج پیش کیا ہے۔ طباعت و کتابت خوب صورت ہے۔ وہ شخص جس کی زندگی میں کئی اطراف سے سنگ باری ہوتی رہی، آج اس پہ پھولوں کی چادریں بھی اور شعروں کے گلدستے بھی نچھاور کیے جا رہے ہیں۔

الحدید | مدیر محمد اکرام قریشی۔ مقامِ اشاعت: ۱۰۲ مرغزار کالونی، گجرات۔ دفتر رابطہ: الحدید، گجرات روڈ، جلال پور جٹاں۔ قیمت فی پرچہ ۱/- روپیہ

الحدید کے نام کی مناسبت نہ صرف یہ ہے کہ یہ آہنی مشینوں سے کام لینے والے ایک صنعتی شہر سے نکلتا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہ غلبۂ حق کے لیے انسان کو حدیدی صفات کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ رسالے میں حالاتِ حاضرہ، اپنے علاقائی مسائل، اہم ملکی معاملات، دینی حقائق پر بحثیں اور پاکیزہ نظمیں شامل ہوتی ہیں جن کا مقصد فلاح و تعمیر ہے۔

پردہ ایک اسلامی شعار | از جناب محمد اکرام قریشی ایم اے۔ ناشر: احیائے دین لائبریری، سیالکوٹ صفحات: ۱۶۔ (مفت تقسیم)

چھوٹے سے پمفلٹ میں بہت اچھا قابلِ غور مواد اور حوالے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی مختلف صحابؓ کی کاوشیں یکجا ملیں گی۔

حیات النبیؐ ایک نظر میں | از محمد اکرام قریشی ایم اے۔ ناشر: احیائے دین لائبریری، سیالکوٹ۔

سیرت پاک کی بہت اچھی تلخیص۔ مقصد تبلیغ۔

فیصلہ کیجیے | از: مولانا راحت گل۔ شائع کردہ: مرکز علومِ اسلامیہ پاکستان، راحت آباد، پشاور۔ ۶۴ صفحات۔

مبحث تو گذشتہ انتخابات کے بارے میں پہلے سے رہنمائی دینے کا تھا۔ مگر اب بھی مختلف گروہوں اور عناصر کے متعلق رہنمائی مل سکتی ہے۔
